

رنگ جب محشر میں لائے گی تو اڑ جائے گا رنگ
یہ نہ کہتے سُرخِ خونِ شہیدان کچھ نہیں !



شامِ محشر دہلوی

شہید بالاکوٹ ۱۳۳۴ھ ۱۳۳۵ھ ۱۳۳۶ھ



علیٰ عظیمین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے ، وہو بحجاب وبہ
یُفْتٰی وَعَلِیْہِ الرِّفْقُ وَہُوَ الْمَذْہَبُ وَعَلِیْہِ الرِّفْقُ وَہُوَ الْمَذْہَبُ
وَالسَّوَادُ یٰہِیْ جَوَابُ یٰہِیْ فِتْنَةُ دِیَاجِے گار اور اسی پر فترے ہے اور یہی
ہمارا مذہب اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں استقامت ہے

مولانا احمد رضا خاں دہلوی

تبریز ۱۳۳۶ھ ۱۳۳۷ھ

تألیف : پروفیسر علامہ خالد محمود لکھنؤی
اپنی ایچ ڈی



شائع کردہ : مکتبۃ دارالمعارف : اردو بازار لاہور

اشاعت اول ۱۹۷۵ء
 اشاعت دوم ۱۹۷۸ء
 اشاعت سوم ۱۹۸۰ء
 اشاعت چہارم ۱۹۸۶ء
 قصید ۱۰۰۰
 جامع دارالمعارف

اردو بازار لاہور

ENGLAND

19-CHORLTON TERRACE UPPERBROOK
 STREET MANCHESTER.13 ENGLAND
 15 WOODSTOCK ROAD BIRMINGHAM.12

کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت کئی شخص اس کتاب کو
 بغیر مصنف کی اجازت کے نہ تو شائع کر سکتا ہے نہ ہی
 ترجمہ کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے کسی حصہ کو براہ گراف
 کو بغیر اس کتاب کا حوالہ دیئے نقل کر سکتا ہے۔

ہندوستان میں اس کتاب کے مجوز حق اشاعت ادارہ جامع المعارف دیوبند دہلی
 کے نام محفوظ ہیں بغیر اجازت کوئی صاحب قصہ طبع نہ فرمائیں۔ مولف

ناظم ادارہ المعارف
 مولف
 مولف

فہرست مضامین

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲	اعلام الاعلام کا عکسی فوٹو	۹	تعارف و اعتراف
۲۵	مجدد الف ثانی کی شان میں تعریض	۱۱	پیش لفظ
۲۶	مولانا حالی کی محدثین دہلی کی یاد	۱۱	شاہ ولی اللہ محدث دہلی
۲۶	محدثین دہلی کی صحیح یادگار	۱۲	ہندوستان کے دارالحکوب ہونے کا فتنی
۲۸	مولانا شہید کے لیے جتہ الاسلام کا لفظ	۱۳	مولانا اسماعیل شہید کا خاندانی تعارف
۲۸	نواب امیر خاں کے ہاں قیام	۱۴	مارہرہ کے گدی نشینوں کا تعارف
۲۹	علما پرشاور کے نام ایک خط	۱۶	مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر قبضہ
۳۰	مولانا شہید مشاہیر ہند کی نظر میں	۱۶	مولوی فضل رسول بدایونی
۳۰	صدر الصدور مولوی عبدالقادر رامپوری	۱۷	شاہ ولی اللہؒ اہلسنت کی مخالفت کا الزام
۳۰	صدر الصدور مفتی صدر الدین صاحب	۱۸	شاہ محمد یحییٰ کی کتاب نانہ مسائل کا رد
۳۱	مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری	۱۹	”عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں“
۳۱	مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی	۱۹	مولوی احمد رضا خاں بریلوی
۳۳	عبدالحق خیر آبادی اور احمد رضا کی ملاقات	۱۹	خان صاحب کی سچاس سالہ محنت
۳۳	حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی رائے	۲۰	تفریق بین المسلمین کے پیچھے حیرانگی کا تھ
۳۴	مولانا شہید الدین کی مخالفت	۲۱	تفریق کے لیے حرام حرام کی گردان
۳۴	مولانا حیدر علی رامپوری	۲۲	پیر کرم شاہ کا فتنی کہ دو نول فریق اہلسنت ہیں
۳۶	مولانا ولایت علی غفیر آبادی	۲۳	ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتنے
۳۷	مولانا کریمت علی جوہروری	۲۳	خان صاحب کا تشبہی سلسلے پر عقاب

۴۸	حضرت مولانا احمد الدین بگھی بھروی	۵۵	حضرت مولانا اسماعیل کی شہادت
۴۹	تقویت الایمان میں الفاظ کفر ہوں یہ غلط ہے	۵۷	مجاہدین کی بستی پھر بھی قائم رہی
۵۰	حضرت شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جہاد	۵۸	مولانا آل حسن اور مولانا رحمت اللہ
۵۱	تحریک کا نصب العین	۵۸	پادری فرینچ اپنارچ نشان کی رپورٹ
۵۲	تحریک کی اصولی منزل	۵۹	علامہ سید سلیمان ندوی
۵۳	شاہ صاحب کا خط شاہ بخارا کے نام	۶۰	آریوں کے دیانند سرستی سے مقابلہ
۵۴	شاہ صاحب کے خطوط میں انگریزوں کا ذکر	۶۱	سکھوں کو اہل خیر کہنے والے مسلمان
۵۵	تحریک کا رخ انگریزوں کی طرف	۶۲	مولانا اسماعیل شہید کی تعینات
۵۶	شیخ غلام علی آبادی کا بیان	۶۳	مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے
۵۷	شاہزادہ کامران کے نام ایک خط		الکلام الفریدی عقائد الشہید
۵۸	انگریزوں پر غاصب ہونے کا فتنہ	۶۵	توحید باری تعالیٰ کے بیان میں
۵۹	میر شاہ علی کے نام ایک خط		
۶۰	برہانہ کے پریشکھل بحث کا بیان	۶۶	برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد
۶۱	ہنٹر کا تاریخی بیان	۶۷	اکبری عہد میں بدعات کا شیوع
۶۲	مجاہدین بالاکوٹ پر انگریزوں کی رائے	۶۸	بدعت حسد اور بدعت سیدہ
۶۳	حضرت سید احمد شہید کی خاندانی عظمت	۶۸	عجۃ دالغ ثانی کا ایک اور خط
۶۴	مجاہدین بالاکوٹ کا نصب العین	۶۹	حضرت شاہ عبدالعزیز پیر پستی کے خلاف
۶۵	شاخ پنجاب کی شہادت	۷۰	ہاتھ باندھ کر قبلہ رخ کھڑا ہونا
۶۶	حضرت خواجہ رفیع بخش کی رائے	۷۱	حضرت شاہ اسماعیل کی محنت
۶۷	مولانا محمد فضل مولانا نارتوی کے شاگرد	۷۱	اولاد دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے
۶۸	مولانا محمد رفیع حضرت گنگوہی کے شاگرد	۷۲	تقویت الایمان کی مقبولیت عامہ
۶۹	مولانا شہید پر بدایت کا الزام	۷۳	عما رحق کی کتابوں کی مقبولیت
۷۰	انگریز اس الزام میں شریک	۷۴	کیا تقویت الایمان کا اسلوب بیان سخت ہے؟

- ۹۷ خدا نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہے ۷۵
 ۹۷ عبادت کے لائق نہ ہونے میں سب برابر ہیں ۷۷
 ۹۸ قرآن کریم کی اس فہرست میں حضرت عیسیٰ کا ذکر ۷۹
 ۹۸ توحید کے بیان میں اسلاف کا اسلوب و عطر ۸۰
 ۹۸ حضرت ملا علی قاری کی شہادت ۸۰
 ۹۹ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی شہادت ۸۱
 ۱۰۱ حضرت شاہ عبدالعزیز کی شہادت ۸۱
 ۱۰۱ مولوی احمد رضا خاں کے والد کی شہادت ۸۲
 ۱۰۲ خدا کی سی قدرت ملنے کا شرکیہ عقیدہ ۸۲
 ۱۰۲ بزرگوں کی صورت کا دھیان باندھنا ۸۳
 ۱۰۳ انبیاء کو دروں غیوب پر مطلع تھے ۸۴
 ۱۰۳ عمار الہی کی ادب میں شرکیہ عقائد ۸۵
 ۱۰۴ اللہ نے بتا دیا اس سے زیادہ معلوم کر لینا ۸۶
 ۱۰۴ مخلوق کی طرف دھیان باندھنے کی شرکیہ صورت ۸۶
 ۱۰۵ خیال آنے اور خیال باندھنے میں فرق ۸۷
 ۱۰۶ تحریف ربانی میں واسطہ بنتا ۸۸
 ۱۰۶ مولف دلائل کی قطعی کا ازالہ ۸۹

مقربان بارگاہ ایزدی کی شان

- ۱۰۵ کمالات راو جبر ۸۷
 ۱۰۶ حضور کے آل و اصحاب کی تنظیم ۸۸
 ۱۰۶ بزرگوں کی محبت ایمان کی علامت ۸۹
 ۱۰۶ حضرت غوث پاک کے بارے میں ۹۱
 ۱۰۸ اصحاب طریقت کا فیض ۹۲
 ۱۰۸ رحمت ربانی کا اچھٹا ذراہ ۹۳
 ۱۰۸ بزرگوں کے توسط سے طلب رحمت ۹۴
 ۱۰۹ فنا فی اللہ اور اتصال علوی ۹۵
 ۱۰۹ ارواح قدسیر سے ملاقاتیں ۹۶
- ۹۲ پیغمبروں کی شان کے بارے میں
 ۹۳ توحید کے ساتھ رسالت کی ضرورت
 ۹۴ رسالت کے بارے میں صحیح عقائد کی طلب
 ۹۵ پیغمبروں کی بڑی شان ہے
 ۹۶ فیضانِ نبوت کی شان

چند الزامات کی وضاحت

- ۱۲۳ ہر مخلوق اللہ کے آگے ذلیل (یعنی کمزور) ہے
- ۱۲۵ اس محرم میں پیغمبروں کو داخل نہ کرے۔
- ۱۲۶ ہر مخلوق کے فقط کو حضور پر لانے کی گستاخی
- ۱۲۶ مولانا شہید کی تائید میں :
- ۱۲۶ شیخ عبد القادر عیلائی کی شہادت
- ۱۲۶ شیخ شہاب الدین سہروردی کی شہادت
- ۱۲۶ خواجه قلام الدین اولیاء کی شہادت
- ۱۲۶ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شہادت
- ۱۲۸ چار مسلمان برتر اسے حقیر جانا حرام ہے
- ۱۲۸ عربی فقط ذلیل کے اردو معنی کمزور کے ہیں۔
- ۱۲۹ بندہ کبھی واجب الوجود کی صفت مستصفا نہیں ہوتا
- ۱۳۰ ”میں بھی ایک دن مٹی میں ملنے والا ہوں“
- ۱۳۱ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ترجمہ حدیث
- ۱۳۲ مولانا شہید کا عقیدہ فقط حسب الطہر
- ۱۳۲ ”میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے بنے“
- ۱۳۳ قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی کا بیان
- ۱۳۵ مولانا شہید اور مسطور مکان نظیر
- ۱۳۶ قدرت اور تکوین مستقل موضوع ہیں
- ۱۳۷ لازم الوسیۃ کی انبیاء سے نفی بے ادبی نہیں
- ۱۳۸ مولانا شہید کے مخالفین کی اصولی غلطیاں
- ۱۴۰ علمائے محاطین انہیں کافر نہ کہیں
- ۱۴۲ مولانا ابوبکرات محمد احمد کا بیان

آسمانی فیصلوں پر اطلاع
اولیاء کرام کی ابدی زندگی

- ۱۱۱ فقط علم حبیب غیب کی طرف مضاف ہو
- ۱۱۱ حضور کے قلب پر اسرار غیب کا نزول
- ۱۱۲ اللہ والوں کے لیے خزانہ غیب کے قفل کھلنا
- ۱۱۳ وحی کی نزالی شان
- ۱۱۳ وحی میں کبھی غلطی نہیں پڑتی
- ۱۱۳ دین کے بارے میں کل علم
- ۱۱۴ حضور کا علم اتفاقی ہے
- ۱۱۴ ملا عبدادی کا اعتراف حق

مولانا اسماعیل شہید کا فقہی موقف

- ۱۱۶ حضرت مولانا عبدالحق دہلوی کا بیان
- ۱۱۶ اعمال میں چار مذہبوں کی متابعت
- ۱۱۶ مجتہدین کی کوششوں کے ثمرات
- ۱۱۷ دورہ فقہاء ایک الہی تقدیر ہے
- ۱۲۰ خیر منصوص مسائل میں تعلیق مجتہد
- ۱۲۰ قاری عبد الرحمن پانی پتی کی شہادت
- ۱۲۱ نواب صدیق حسن خاں کی شہادت

ختم اور ایصال ثواب

- ۱۲۳ مولانا احمد رضا خاں کی وصیت
- ۱۲۴ فوت شدگان کو طعام سے فائدہ پہنچانا
- ۱۲۴ سورہ فاتحہ اور اخلاص کا ثواب

۱۵۷	نماز میں انسان سے خطاب	۱۳۳	اصلاح حال کی ایک مؤثر تجویز
۱۵۸	نماز مومنوں کی معراج	۱۳۳	فطرت کا صحیح فیصلہ آپ کے سلسلے ہے
۱۵۹	نماز کی حفاظت	۱۳۳	صوتِ حال کا صحیح جائزہ
۱۵۹	نماز کا حکم	۱۳۳	اصلاح حال کی مختلف کوششیں
۱۶۰	قرآنی مضامین کی تلاوت	۱۳۵	مولانا عبدالعظیم صدیقی کی فکری تبدیلی
۱۶۱	نقشبہ میں خطاب	۱۳۵	پیر کرم شاہ مولانا احمد رضا کی تدبیر میں
۱۶۲	ایک صورتِ عمل	۱۳۶	بریلوی عذر کہ پیر کرم شاہ حجت نہیں
۱۶۳	دوسری صورتِ عمل	۱۳۶	پیر کرم شاہ کا اعتراں کہ غلط دیوبند ہفت ہیں
۱۶۴	تیسری صورتِ عمل	۱۳۶	بریلوی علماء نے عبدالباقی نیازی کی تجویز ٹھکرا دی
۱۶۵	ہجرت کی اصطلاح	۱۳۷	مصنف اپنی بات کی تشریح کا نینیدہ عذر ہے
۱۶۶	شیخ الاسلام ہروی	۱۳۸	حضرت شاہ اسماعیل شہید کی دو رکعت نماز
۱۶۷	امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ	۱۳۹	شاہ سید احمد شہید کا مقام ولایت
۱۶۸	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۴۰	شاہ اسماعیل کی شان رسالت میں تصریحات
۱۷۰	غلام سیال پور شریعتیہ		
۱۷۰	تصور برقیہ		
۱۷۲	مولانا شہید کے ان شغلِ لایہ	۱۵۱	نماز کی اہمیت
۱۷۴	مقصود سے توجہ نہ لانا	۱۵۳	نماز کے اداب
۱۷۵	تصور برزخ کی غلط صورت	۱۵۵	نماز کے مقدمات
۱۷۶	بت پرستی شرک نہیں؟	۱۵۵	نماز کے اثرات
۱۷۷	بتوں کا بنانا کفر نہیں؟	۱۵۶	مراقبہ و مشاہدہ
۱۷۸	عبادت میں گنہگار نہیں؟	۱۵۶	نظر پھیرنے کی محافط

نماز کا مقام توجیہ

- ۱۸۰ نماز میں آنے والے کی رعایت
بڑی آفت سے نکال کر چھوٹے خطرہ میں ۱۹۹
- ۱۸۲ مولانا احمد رضا خاں کافوٹے
نماز میں بزرگوں کا تصور بزرگی منسوخ ہے ۳۶
- ۱۸۳ امام کا کزور کی رعایت کرنا
حضرت سید احمد شہید کا ارشاد ۲۰۳
- ۱۸۵ نماز میں سترہ کی طرف دھیان
ہمت کے معنی شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں ۱۸۵
- ۱۸۵ حضورؐ کی اس باب میں ہدایت
حضرت کائنات میں تجہیز و تکوین کرنا ۳۰۰
- ۱۸۶ حضرت عمرؓ کا فتوے
مولانا احمد رضا شاہ شہید کی حیثیت ۱۸۶
- ۱۸۶ حضرت عثمانؓ کا فتوے
سید محمد علی ۲۰۳
- ۱۸۸ حضرت علیؓ کا فتوے
مولانا احمد رضا خاں کافوٹے کی شہادت ۱۸۸
- ۱۸۹ امام شافعی کا فتوے
عید الہی ہے ۲۰۳
- ۱۹۰ قرآن آگے رکھ کر نماز پڑھنا
مولانا احمد رضا کے عبارت سے سمجھ لی ۱۹۰
- ۱۹۰ نماز میں کسی سے حضورؐ کا نام نہ سنانا
ایک لفظ میں ۲۰۳
- ۱۹۱ نماز میں خیال آنے اور اللہ سے الگ ہونے میں فرق
شاہ صاحب قلعہ میں خیال آنے کی ۱۹۱
- ۱۹۳ حضرت علامہ عثمانی کی شہرت
تذکرہ شہداء میں ۱۹۳
- ۱۹۲ خیال آنے اور توجہ بھٹانے کی حقیقت
نماز میں حضورؐ کا خیال آنے پر توجہ بھٹانے کی ۲۰۵
- ۱۹۲ کسی محترم شخصیت کی طرف توجہ بھٹانے کا لزوم ہے
حاضر ہوتے اور حاضر کو نہ ملنے میں فرق ۳۰۵
- خیال آنا انعام الہی بھی ہو سکتا ہے۔ ۱۹۵ نماز کے بعد ایک اور لذت
- ۱۹۶ خیال جانے میں شرک کی آلائش ہوگی۔ ۱۹۶ جہاد کا آغاز دلی سے سکھوں سے کیا
- ۲۰۸ شاہ اسماعیل شہید خیال بنامہ کے خلاف ۱۹۶ تبلیغی سفروں کے ثمرات
- ۲۰۸ مشائخ طریقت کا طریق اصلاح ۱۹۸ آزاد و سلطنت اسلامی کا قیام

نجدہ ونصلے علی رسولہ الکریمہ ما بعد

تعارف

و

اعتذار

پاک ہند کی تحریک آزادی کن تیرہ واریک رابعوں سے گور کر منزل سے
 جہان آباد ہوئی اور علمائے اسلام کہاں کہاں دریائے خون میں تیرے ان واقعات
 کی یاد سے ہماری تلخ میں تسلسل پیدا ہوتا ہے اور مضعل دگوں میں تازہ خون
 کی لہر اٹھتی ہے ہم ذرا ماضی کی طرف پیش تو بہتر سے بہتر مستقبل کی تعمیر کر سکتے
 ہیں۔ ان واقعات میں آیا ہر انداز کی محنت جھکتی ہے اور ان کی یاد سے
 خدا کریمہ پایا ہر انداز کا ذوق ملتا ہے ضرورت تھی کہ تحریک آزادی
 کے قائلوں کا قافلہ دار عام تعارف ہو اور اس سے جدید شکل واقف ہو سکے۔
 اس تحریک کے سابقین اذہین موری طور پر حضرت امام شاہ ولی اللہ اور
 حضرت شاہ عبدالعزیز اور عملی طور پر ان کے نفاذ حضرت سید احمد شہید اور حضرت
 مولانا اسماعیل شہید تھے ان شہیدوں نے سرزمین ہند میں قربانیوں کی لیتواری کی
 ملت اسلامیہ کو اپنے چیلے چیلے پر بھی ملا ہے اور کچھ اسیل کی قربانی پر بھی
 تحریک آزادی نے آئندہ مختلف کرڈ میں لیکن اس حقیقت سے انکار
 نہیں کیا جاسکتا کہ تحریک آزادی کے خاکے میں پہلا رنگ شہیدانے بالاکوت
 کے خون نے بجا تھا۔

یہ زونی دشمن عاتقین ہمیشہ سے سامی عیالہ اسلامان کو اپنے عظیم متنازلوں
 سے جگمان کیا جائے اور تقریر کی اندھونی سے شیرازہ طحت کو بار بار ہوتا آتا
 کہنے لگیں۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے کس طرح منہاج نبوت سید
 امت کی امامت فرمائی یہ ہماری تاریخ کا بہت روشن باب ہے لیکن کس

طرح ان بزرگوں کو یہود و مجوس کی سازشوں نے بدنام کیا یہ اپنی جگہ ایک تلخ حقیقت ہے
حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کو بدنام کرنے میں بھی بیرونی سامراج نے کوئی کئی نہیں کی جدید
نسلوں کو اپنے ماضی سے کاٹنے کے لیے ان حضرات کے خلاف تفرقہ کے سلسلے اس عیاں تک
انڈیا میں پھیلانے گئے کہ ملت خواہ مخواہ دو حصوں میں بٹ گئی۔

یہ مختصر رسالہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے یہ اہل حق کا دفاع ہے اور محمدؐین دہلی سے تلخی و اذیت
کی ایک حسین یاد ہے اس وقت پاکستان میں اور یرون پاکستان فریب خوردہ و اخطوں کی ایک لمبی
قطار لگی ہے جو شب و روز مولانا اسماعیل شہیدؒ کے خلاف گستاخی و سولہ گلاوا لگنے میں اور اس
ذوق تکفیر میں ان کے پیٹنے پلانے کے جام چھلکے ہیں۔ تلخ گوشت کرنے کے اس جاہلانہ شوق پر
جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے کہ اس کے پیچھے بیرونی طاقتیں کھڑی ہیں۔

اپنے منافقان سے حلقہ کس لیے ہیں جال کا طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا
اس معرکہ تفریق پر آئندہ ملکی سیاست کے خطوط کیسے بنائے جائیں یہ غلط انداز فکر ہے کہ کہاں
لے جائے گا یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ یہ رسالہ آہ مظلوم ہے جو اہل خانہ کو خندانہ بد کرنے
کے ظلم کے خلاف اٹھی ہے مظلوم کو آہ بھرنے سے روکنا یہ اور ظلم ہو گا۔

جب بھی کشن کو خون کی ضرورت پڑی سبے پہلے ہی گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں ہم سے اہل چین یہ ہمارا چین ہے تمہارا نہیں

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے خلاف جو جو الزامات تصنیف کئے گئے ان کا جالی جواب ہمیشہ
ذہن میں رہنا چاہیے کہ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت شہیدؒ کی تکفیر نہیں کی بلکہ علما و محققین کو اس
سے دھوکا اور فریالہ زوم و الزام میں فرق ہے جو کہتا ہے مولانا اسماعیل شہیدؒ نے ان عبارات میں کفری جتنی ہوا لیے ہیں
تفصیل جواب کے لیے بہت سی جزئیات خود مولانا شہیدؒ کی تحریرات سے ہی پیش کی گئی ہیں۔ ہاں
ایک بڑا الزام جو ان و اخطوں کے ہاں الزامات کا ناشتہ کہلاتا ہے وہ نماز میں حضور اکرمؐ کا خیال
لانا ہے اس کی تفہیم و تفصیل ایک علیحدہ رسالے ”نماز کا مقام توحید“ میں ملے گی۔ والسلام

پیش لفظ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

تاریخی پس منظر

ہندوستان میں اوزنگ زیب عالمگیر کے بعد مسلمانوں کی سلطنت زوال کی طرف جاری تھی اور جو مسلم حکمران خود مختار ہو گئے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ انخطا کا شکار ہو رہے تھے۔ نفل تاج برائے نام رہ گیا تھا اور انگریز برصغیر پھیل رہے تھے، بہت سے والیان یا ست نے محض اس لیے کہ ان کے اسباب عیش و عشرت باقی رہیں، اقتدار کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا تھا اور مسلمان اپنی روایات سے بہت دور چلے گئے تھے۔ جن مسلم قوتوں نے اس بچھے ہوئے چراغ میں اپنا نعل جلا یا ان میں سلطان ٹیپو شہید امید کی آخری کرن تھے، ان کے بعد کوئی مسلم سلطنت ایسی نہ رہی تھی جس میں قوم کی عظمت رفتہ کی کوئی جھلک باقی ہو۔ مسلمانوں پر ایس طاری تھا اور غیر مسلموں کا اقتدار سیلاب کی طرح بڑھ رہا تھا۔ پنجاب سکھوں کو مل گیا تھا اور وسط ہند میں مرہٹے اپنا کھم کو رہے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

مسلم نوال کے اپنی کشمکش میں ایک عظیم شخصیت انجری جس نے قوم کی نفس پر ہاتھ رکھا قوموں کے عروج و زوال پر جبریت تغیر بحث کی اور قوم کو اس حجت مخلصی لکھدس دیا جو پوری ہو کر رہتی ہے۔ یہ بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) حجتہ اللہ الیاذ کے مصنف تھے۔ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کچھ عرصہ نقاوسی عالمگیری کی تدوین میں کام کر چکے تھے اور ان کے

علم و فضل کی خاصی شہرت تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے علوم و معارف کی تجدید و تدوین سے مسلمانوں کے بن مرنہ میں زندگی کی نودھ پھونکی۔ سیاسی تنزل کے دور میں علم و فکر کا تحفظ کیا اور خلعت کدہ ہند میں علم و فضل کے دو چراغ روشن کیے جن کی تابانی آج بھی قوم کو روشنی بخش رہی ہے۔ سیاسی زوال کے دور میں اسلامی عقائد اور مسلم روایات کا تحفظ ہی ایک ایسی زمین تھی جس پر آئندہ قیام آزادی کی بنا رکھی جاسکتی تھی۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی فکر تھی جو پہلے بالاکوٹ میں عمل بن کر ابھری اور یہی رد و بوجھ عمل تھی جس نے ۱۸۵۷ء کے تاریک فغا کے میں رنگ بھرا کبھی یہ مدح عمل تحریک خلافت میں ترقی اور جو چراغ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جلائے تھے وہ آئندہ آنے والی آزادی کی ہر تحریک میں اپنے خون کا رنگ بہتے رہے۔

بنا کر دند خوش رسمے بگاک و خون غلیظان

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے جانشین قطب الارشاد شیخ المتحدین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۲۱ھ) اپنے وقت میں پورے ہندوستان کا علمی مرکز تھے۔ اپنے علم و عمل کی پوری قوت سے اپنے والد کی تعلیمات کو بجا کھینچی، آپ کے بارگاہ حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی (۱۱۳۰ھ) اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (۱۱۳۳ھ) ملن دینی مفتوں میں آپ کے ساتھ تھے جبکہ علامہ علی درگاہیں تمام تحصیل مدرسہ ترقی علوم کائنات میں عمل سنت کے ساتھ ساتھ ملک میں پھیل رہا تھا۔

ہندوستان کے دارالاحکام ہونے کا فتویٰ

علم و معرفت کے اس چشمہ صافی میں ایک سیاسی لہر اٹھی۔ یہ قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فتویٰ تھا کہ علوم ہندوستان دارالاحکام ہے۔ اس تحریک کی جڑیں سے لگے بہتے رہا

کی زمین تھرا اٹھی۔

شریعت کا فتویٰ تھا حق کی منادی کہ ہندوستان کی زمین سب ہادی
کہ جس نے سنا اس کو دھن اک لگا دی اور اک قوم اپنے ہی گھر سے اٹھا دی

انگریز بھگوان بھانپ گئے کہ آئندہ ان کے خلاف دھواں کہاں سے اٹھے والا لیکن اتنی
جلدی دو کی ایسے شخص کو آگے نہ لاسکتے تھے جو غلام ہندوستان کو دارالاسلام کہے اور دارالحرب کہنے
والوں پر کفر کی گولہ باری کرے۔ قوم کے ذہن کو اس درجہ گرائنے کے لیے کچھ وقت کی مسنت دیا کرتی۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید (۱۲۳۶ھ) کا خاندانی تعارف

آپ اسی خاندان دہلی کے چشم و چراغ تھے۔ آپ نے ان بزرگوں کی صحبت میں آنکھیں کھولی
تھیں جو وقت کے اولیا کبار تھے۔ آپ قطب وقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے جیسے اور
شاگرد تھے۔ ان کے سامنے ہی بڑے بڑے لوہان کے سامنے ہی تعلیم و تبلیغ کی وادی میں قدم رکھا
آپ عقائد و نظریات میں اپنے خاندان کے ترجمان تھے۔ تحریک جاد میں آپ اپنے شیخ طریقت
مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلوی کے ساتھ شریک تھے جنہوں نے خرقہ خلافت حضرت شاہ عبدالعزیز
سے لیا تھا۔

دہلی کی سند حدیث ان دنوں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے حضرت شاہ
محمد اسحق محدث دہلوی کے دم سے آباد تھی۔ آپ نے حضرت شاہ صاحب کے سامنے اس سند حدیث
کو زینت بخشی اور پورے خاندانی اعتماد کے ساتھ آپ نے مس دفتر کی ذمہ داری سنبھالی
حضرت شاہ اسماعیل اور حضرت شاہ محمد اسحق کے فضل و کمال کا پتہ اس سے چلتا ہے، کہ
فرد مسرت میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی زبان پر کبھی یہ آیت جاری ہر جاتی تھی۔

الحمد لله الذی وهب لی علی اکبر اسمعیل واسحق

ان ربی لجميع الدعاء (پاۓ ابرہیم ص ۶)

(ترجمہ) سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اس بڑی عمر میں مجھے تسخیل اور التقی بخشے ہیں، بے شک میرا رب مُنْتَظَر ہے دُعا کو۔

حق یہ ہے کہ پورے ہندوستان پر اس خاندان کی علمی حکومت تھی جو لوگ حضرت شاہ اسماعیل محدث دہلوی پر رد و قدح کرتے ہیں وہ اس میں نظر کو بھول جاتے ہیں کہ آپ کس خاندان کے فرد تھے اور آپ کے عمائد و نظریات کن کن بزرگوں کے سامنے کھلے تھے۔ اس علمی خاندان کی شان یہ تھی کہ جہاں بھی علماء کرام تھے وہ اس خاندان کے باوراسطی یا بلاواسطہ شاگرد تھے اور تو اود مارہرہ کے گندی نشین بھی اسی خاندان کا دم بھرتے تھے اور اپنی سہ علم کی سند دیتے تھے۔

مارہرہ کے گندی نشینوں کا آستانہ عقیدت

مولوی فضل رسول بدایونی پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس خاندان کی مخالفت کی، ان کے پیر شاہ آکل احمد (۱۲۳۵ھ) نے بھی منہ مدیث اسی گھر سے لی تھی کہ حضرت تیار آل احمد کے بیٹے سید آکل رسول (جو مولانا نقی علی خاں والد مولوی احمد رضا خاں کے پیر تھے اور مولوی احمد رضا خاں نے بھی عننوان شباب میں ان سے بیعت کی تھی) آپ بھی اسی گھر سے منہ دیتے تھے۔ حضرت سید اکمل رسول (۱۲۹۶ھ) نے اپنے صاحبزادے سید ابوالحسن احمد نوری کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں کی سند دی تھی۔

آپ نے اپنے صاحبزادے سید ابوالحسن نوری کو ۱۲۶۰ھ میں اجازت سلاسل توکل کریم صلیح بستہ و مصنفات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مرحمت فوادی ملے

لے طوابع الاقوام ۱۹ مطبوعہ صبح صادق پریس سینا پور لے انوار العارفین مکہ ۴

صدیقی پریس بریلی مطبوعہ ۱۲۸۶ھ لے مدارج حضور پر نور جلد ۲ ص ۱۱۹

یہ سید ابوالکھیم نعیمی، جناب احمد رضا خاں کے پیرو تھے۔ آپ نے حلقہٴ بخشش میں ان سے بڑی عقیدت کا اظہار کیا ہے، اس سے یہ عیاں ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خاندان پورے ہندوستان میں علم اسلام کا مرکز تھا۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی تسلیم کرتے ہیں :
 ”شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ہندوستان کے طول و عرض میں کافی اثر تھا“

مسلمان اس خاندان کے ارادت مند و معتقد تھے بلکہ

انگریز اس خاندان کے اثر کو ملکی سطح پر کم کرنا چاہتے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ کہ غلام ہندوستان دارالحرب ہے انگریزوں کے خلاف نہایت مؤثر آواز تھی دوسری طرف شیخ فرقہ اس خاندان کے سخت خلاف تھا، حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب ازالۃ الخفا اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحفۂ اشاعہ شریعہ اس نئے دور میں اہل السنۃ و الجماعہ کے نہایت مضبوط قلعے تھے جنہوں نے عقائد اہل السنۃ کو نئے سرے سے جلا اور توانائی بخشی تھی اپنے پرانے سب اس خاندان کی علمی عظمت کے قائل تھے شیخ اور انگریزوں کے سوا کوئی نہ تھا جو اس خاندان کا دم نہ بھرتا ہو اور فقہ و حدیث میں حق و باطل اور کھرے کھمٹے کی پہچان پورے ہندوستان میں اسی خاندان کی رہین احسان تھی۔

مولوی فضل الرسول بلالونی نے گو اس خاندان کے خلاف آواز اٹھائی لیکن وہ بھی اہل السنۃ کے دو محاذ نہ بنا سکے، آخرت کا یہ بوجھ مولوی احمد رضا خاں کی قسمت میں تھا اور ابھی تک ان کا دور نہ آیا تھا۔

اُس وقت مسلمانوں میں پورا دینی اتحاد تھا۔ اہل سنت مسلمانوں میں باہمی تفریق نہ تھی سب

مسلمان متحدین دہلی کے اس علمی اقتدار سے مستفید تھے
مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر قبضہ

انگریز تاجران کر ہندوستان میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ میاں کی سیاسی قوت بن گئے

آپس میں لڑا دینا ان کی شاطرانہ سیاست تھی اور آپس میں لڑ پڑنا یہ امر کہ کی طاقت تھی، انگریزوں نے اس نہر سے پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار پر قبضہ جلا گئے۔ اس ناجائز قبضہ کے خلاف دینی احساسات ابھر سکتے تھے ان سے بچنے کے لیے متحدین دہلی کے مرکزی اعتماد کو ٹوڑنا ضروری تھا۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کے اس مرکزی اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے ہندوستان کو دارالاسلام ٹھہرایا۔ انہوں نے شاہ عبدالغفرؒ کے دارالحرب کے فتوے کو غلط قرار دیا اور مولانا اسماعیل شہید کی تحریک جہاد کی مخالفت کی، میانہ یک کہ مسلمانوں میں برابر کے دو محاذ قائم کر دیے، انھوں نے مسلمانوں کی کوئی خدمت نہیں کی خود اسلام پر برا ظلم کیا کہ اس میں تفریق کی ایک شاہراہ قائم کر دی۔

مسلمانوں کے علمی اقتدار پر حملہ

قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالغفرؒ محدث دہلوی کے دور میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار تو چھین چکا تھا لیکن علمی اقتدار پھر بھی قائم تھا جب حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تو انگریزوں نے اسی وقت مسلمانوں کے اس علمی اقتدار پر حملے کا فیصلہ کر لیا تاہم اس کیلئے مہلت دے گا رہی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی عظیم شخصیت کے سامنے کسی پیر یا مولوی کا چراغ نہ جل سکتا تھا البتہ ان کی وفات کے بعد ان علما حق کے مقابلے میں کچھ وظیفہ خوار مولوی اور پیر کھڑے کر دیے گئے۔ علما کے اس دوسرے قافلے کے سالار مولوی فضل رسول بدایونی تھے لیکن پھر بھی مسلمانوں میں ابھی تک برابر کے دو محاذ نہ بنے تھے۔ دیوبندی اور بریلوی ناموں کے جو اختلافات آج انتہا کے سامنے ہیں وہ ان دنوں کہیں ظاہر نہ تھے۔

مولوی فضل رسول بدایونی (۱۲۷۲ھ، ۱۸۵۶ء) — آپ اپنے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس فائدان کی مخالفت کی۔ آپ کے ایک عزیز یعقوب حسین بدایونی نے

اکمل التاریخ میں آپ کے سوانح حیات قلمبند کیے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سرکار انگریزی کے ملازم تھے اور آپ کو انگریزوں کی نیراثر بعض دسی ریاستوں سے کچھ وظائف بھی ملتے تھے آپ کے دوست یہ کام تھا کہ جس طرح بھی ان کے مقتدین دہلی کے مرکزی اقتدار کو ختم کیا جائے اور مسلمان جس طرح سیاسی طور پر وظائف الملکی (ANARCHY) کا شکار ہیں دینی طور پر بھی مختلف گروہوں میں بٹ جائیں۔

آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے اقتدار علمی پر حملہ کیا۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ اور حضرت شاہ محمد اسحاقؒ تو ایک طرف رہے آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر بھی اپنے زہین ہاتھ صاف کیے اور پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کی اس شوکت علمی کو تاراج کیا جائے جو ہندوستان کے مسلمانوں کا سیاسی زوال کے اس دور میں واحد دینی سہارا تھی۔

مولوی فضل رسول بدایونی اپنی کتاب البراق المحمدیہ رجم الشیاطین النجیریہ میں ثبری سمبٹ کے بعد لکھتے ہیں :

”اسماہل شاہ ولی اللہ صاحب آپ بچہ زوشہ اندمخالف اہل التہذیب و الجمال است واولاد و امجاد شاہ ولی اللہ کہ اس گونہ تصنیفات را ذائع و شائع نسا خند و در پردہ کتمان داشتند گویا پردہ بر بے پرو گیسائے والد ماجد نمود و اندام محمد رسولی محمد اسماعیل زمانہ را فارغ از حکومت سلام و خالی از علما و اعلام یافتہ حدت جبلی را خیل بلند آواز ساختہ آن انکھ افسردہ ویرین کستر را شغل نمود

ترجمہ : شاہ ولی اللہ صاحب نے جو لکھا ہے وہ اہل سنت و اجماعت کے خلاف ہے اور آپ کے لڑکوں نے جو آپ کی اس قسم کی کتابوں کو شائع اور عام نہیں کیا اور پردہ کتمان میں رکھا تو گویا اپنے باپ کی بے پرو گئیوں پر پردہ ڈالے رہے۔ مولوی اسماعیل نے وقت کو اسلامی حکومت سے فارغ دیکھا اور بڑے علماء سے خالی پایا تو طبیعتی

کو اوتیر کر کے اس چنگاری کو جو خاک تلے بھی ٹپتی تھی، بھڑکا دیا۔

اس وقت یہ بحث نہیں کہ مولوی فضل رسول بدایونی اس علم و استدلال میں کن غلطیوں کے مرتکب ہوئے، اس وقت ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ مولوی صاحب کس طرح ایک ہی محلے میں حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ محمد اہلی اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کریم شخصیتوں کو مجروح کر گئے، تمدنِ دہلی کے مرکزی اعتماد پر یہ پہلی ضرب تھی۔ مولوی فضل رسول صاحب نے ان حضراتِ قدسین پر تفتیح کی تہمت بھی لگائی حالانکہ یہ حضرات خود اہلِ قلعہ کے خلاف تھے اور صحابہ کرام کی حمایت میں ایک عرصہ سے کام کر رہے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابیں ”ازالۃ الخواص عن خلافتہ الکملۃ“ اور ”قرۃ العینین فی تفضیل الثقلین“ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی کتاب ”تکفہ اثناعشر“ جن کے موضوع خود ان کتابوں کے ناموں سے ظاہر ہیں، ان کتابوں پر بھی انھوں نے اعتراضات کیے اور عبارات کو کھینچ کر ان کی ایسی تشریحات کیں جن سے انتشار بڑھے، مسلمان دینی نقطہ اعتبار سے بیجا نہ رہیں اور ان کا مرکز دہلی ٹوٹنا چلا جائے۔ ان بدایونی صاحب نے حضرت شاہ محمد اہلی محدث دہلوی کی کتاب ”ماتہ مسائل“ کا رد بھی لکھا اور ”تیسع المسائل“ درتوید مسائل نجدیہ اراؤل جیسی کتابیں تصنیف کیں، بہت سے واقعات بھی تصنیف کیے اور دہلی کے اس مرکزِ علمی کو بنام کسے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا، حضرت شاہ اسماعیل شہید اسی فاضلِ دہلی کے ایک فرد تھے، ان کتابوں کے نام اور ان کے نکلنے کے عنوان خود بتا رہے ہیں کہ بدایونی صاحب کس قسم کا ذہن پیدا کرنا چاہتے تھے اور کس زبان میں بول رہے تھے، یہ حالات وہ بھی ہرگز غفلت علیٰ تبارہ ہیں کہ مسلمانوں میں نفرت پھیلانے کی ان کوششوں کے پیچھے قیافہ فکر کی بات تھی، افسوس غیور پر نہیں ان لوگوں پر ہے جو ان کے آگے کار بنے پھر جب یہ کارروائی دین کے نام پر مقدماتِ مذہبی بڑی ہے یہ سب ماضی صرت اسلام کے خلاف تھیں۔ غیر ملکی

حکومت تھی مسلمانوں میں تو تفرقہ پھیلایا جا رہا تھا اور ہندوؤں کو خوش کرنے کے سامان فراہم کیے جا رہے تھے۔ مولوی فضل رسول بدایونی نے یہاں تک فتویٰ دیدیا کہ عبادت کیلئے بُت بنانا کفر نہیں ہے بلکہ

مولوی احمد رضا خاں بریلوی صاحب (۱۳۴۰ھ)

مولوی فضل رسول بدایونی کے بعد ان کے جانشین اختلاف کی اس لکیر کو پھینٹتے رہے یہاں تک کہ پھر یہ خدمت مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سپرد ہوئی، ان کی بھی پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن آئے مسلمان ہند کا اعتماد ان قد ثنیں دہلی سے اٹھایا جائے اور دہلی کے اس صلی خاندان کو اس طرح بدنام کیا جائے کہ مسلمان پھر ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہو سکیں۔

انگریز ہندوستان میں (DIVIDE AND RULE) تفریق ڈالو اور حکومت کرو۔

کی پالیسی لے کر آئے تھے اور ان کی کامیابی کا لازماً اسی تفرقہ بازی میں مضمر تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے نہ صرف یہ کام کیا کہ مولانا اسماعیل شہید کے خلاف رسالے لکھے، دہلی کے اس مرکز صلی کو بدنام کیا بلکہ تفریق بین اہلین کے اس محاذ پر اپنی زندگی کے سچاس سال لگا دیے۔ ملت اسلامی کا کوئی خیر خواہ اس پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے اپنی زندگی آخر کس کام پر لگائی، آپ کے ایک معتقد قاری احمد علی بھیتی سوانح حضرت کے مقتدی (کلام اول) میں لکھتے ہیں :

" ۱۲۹۷ھ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں نے قلم اٹھایا، کثرت سے کتابیں

لکھیں، فتوے صادر کیے، عربین شریفین کے سفر میں شہیر علماء عربین سے ملکر دیوبند کی تحریروں کے خلاف تصدیقات حاصل کیں جن کو حاکم اکرمین کے ہم سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ مولانا احمد رضا خاں سچا کس سال سلسل اسی جد و جہد

لے فتوے مولانا فضل رسول بدایونی مطبوعہ سفید اخلاق پریس شاہجہاں آباد ص ۱۲۲۸

لے ۱۲۹۷ھ سے ۱۳۴۰ھ تک ۴۳ سال بنتے ہیں معلوم ہوتا ہے یہ قاری جی حساب نہیں جانتے تھے۔

میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مستحبہ کفر قائم ہو گئے، بریلوی اور دیوبندی۔ دونوں جماعتوں کے علماء اور عوام کے درمیان مخالفت و تصادم کا یہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے۔ ۱۷

ایک غیر جانبدار شخص جب اس عبادت سے گزرتا ہے تو اس کے ذہن میں چند سوال ضرور ابھرتے ہیں، وہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے علماء دیوبند کی عبارات میں اگر کوئی غلطی دیکھی تھی تو پہلے خود ان علماء سے ہی استفسار کیوں نہ کیا؟ ان سے وضاحت کیوں نہ پوچھی؟ سید سے حریم کیوں پہنچے؟ اور یہ اردو عبارت ان لوگوں کے سامنے کیوں رکھی جو اردو نہ جانتے تھے؟ اور عربی ترجمہ کیا وہ خود کیوں کیا؟ کسی غیر جانبدار زبان سے کیوں نہ کرایا؟ اور پھر جن علماء پر غلط عقائد کے الزامات لگائے جا رہے تھے انھیں صفائی کا موقع کیوں نہ دیا گیا؟ اور پھر یہ ساری کارروائی کیلئے کیوں کی جا رہی تھی؟ اور پھر اس تفرقے کی تشہیر اور تفریق بین المسلمین کی توثیق (Confirmation) اور تائید آخر تاں بڑا کام نہ کیوں تھا کہ اس پر زندگی کے پچاس سال لگا دیے جاویں اور پھر جب علماء دیوبند کی طرف سے ان عبارات کی تشریح کی گئی اور ان عقائد سے بیزاری کا اظہار کیا گیا جو ان عبارتوں کے سہارے ان علماء کے ذمے لگائے گئے تھے تو اس صفائی کو چھپائے اور اس پر پردہ ڈال کر اس اختلاف کو بحال رکھنے میں آخر کون سی خدمت اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی تھی؟ تفریق بین المسلمین کی اس کارروائی کے پیچھے اگر غیر ملکی ہاتھ نہ تھا تو اس تفریق پر اور ان الزامات پر احمد رضا خاں صاحب کو آخر اتنا اصرار کیوں تھا؟

اس وقت ان سوالات کی وضاحت اور ان کے پیچھے کے عوامل زیر بحث نہیں، یہاں ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ مولوی فضل رسول بدایونی کے بعد تفریق بین المسلمین کی یہ خدمت مولوی احمد رضا خاں کے سپرد ہوئی اور جس طرح مولوی فضل رسول نے کہا تھا کہ عبادت کے لیے بُت بنانا کفر نہیں اس طرح

مولوی احمد رضا خاں بھی ہندوؤں کو دباویں سے بہتر قرار دیتے تھے آپ نے نکاح کے بارے میں ایک فتویٰ جاری فرمایا :

”نکاح نام باہمی ایجاب و قبول کا ہے اگرچہ باسن پڑھاوے۔ چونکہ وہابی سے پڑھوانے میں اس کی تنظیم ہوتی ہے جو حرام ہے لہذا احتراز لازم ہے۔“
مولوی احمد رضا خاں نے تفریق بین اہلین کے لیے جو شدت اختیار کی یہ بتا رہی ہے کہ اس کے پیچھے کسی بڑے مسلم کش سیاسی ظالم کا ہاتھ تھا۔ مولوی صاحب کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ کیجیے جو شخص دباویہ دیوبندیہ کے کفر میں شک کرے اس کے بارے میں لکھتے ہیں :

”بلاشبہ اس سے دور بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا، اس سے نفی

اس کی امانت، اس کا رد فرض ہے اور توقیر حرام و دہم اسلام، اسے سلام کرنا حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کے ساتھ کھانا پینا حرام، اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام، اور قربت زنا خاص اور بیارپے تو پوچھنے جانا حرام، امر جہلے تو اس کے جنازے میں شرکت ملے مسلمانوں کا سائل و کفن دینا حرام، اس پر نماز جنازہ حرام بلکہ کفر، اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا، اس کے جنازے کی مشایعت حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام، اس کے لیے دعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب حرام بلکہ کفر۔“

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہاں گیارہ دفعہ لفظ حرام کی گردان کی ہے، آپ اس عدد سے کہیں نہ ثابت کر رہے تھے افسوس انہوں نے یہ نہ سوچا کہ خدا کے حلقہ عقیدت کے سب سے بڑے لوگ تھے جو ان حرام کاموں سے نہ بچ سکیں گے۔

مولوی فضل رسول دہلوی حضرت شاہ عبدالغفریہ کے قریب العہد ہونے کی وجہ سے

اہل السنۃ والجماعہ مسلمانوں کے دو محاذ نہ بن سکے تھے، ابھی اس خاندان کی علمی عظمت احمد مرکزی حیثیت پوری طرح قائم تھی، جوں جوں وقت گزرتا گیا ان بزرگوں کی یاد کو زور پڑتی گئی اور پھر وقت آیا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب (۱۳۴۰ھ) بقول جناب قاری احمد بیلی بھیتی مسلمانوں کے دو محاذ بنانے کے اس مقصد کو زور کر گئے۔ قاری جی لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں پچاس سال سلسل اسی جد و جہد میں تنہا سب سے بیان تک کہ مستقل دو معتبرہ فکر قائم ہو گئے۔

تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ مولانا اسماعیل شہید کو کافر کہنے کی حرأت مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی نہ ہوئی کیونکہ ابھی تک اس علمی خاندان کا غلطہ باقی تھا، پورے ہندوستان میں قرآن و حدیث کے ایران ابھی تک اسی خاندان کے نام سے گونجتے تھے اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی یادیں کسی نہ کسی درجے میں لوگوں کے دلوں میں محفوظ تھیں۔ دارالحدیث دہلی کے فیض یافتگان جب دیوبند منتقل ہوئے تو مولانا احمد رضا خاں کی زبان تکفیر پھر ان کے خلاف خوب کھلی اور ایسی کھلی کہ اب تک یہ شق جاری ہے، جو مولوی صاحبان اس تکفیر کی مشق کرنے والے ہیں وہ اس کام کا مولوی احمد رضا خاں جیسا کو مقصد سمجھتے ہیں اور ان کے نام سے یہ فقہ تکفیر ہر گزشتہ مسلمانوں کو دو ٹوٹے کیے ہوئے ہے اور حق یہ ہے کہ دونوں فریق اصولاً اہل السنۃ تھے۔ پھر (ضلع سکو دھا) کے پیر کرم شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”اس بابی اور داخلی انتشار کا سبب الٹا پہلا اہل السنۃ والجماعہ کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی۔ حضور نبی کریم کی رسالت اور ختم نبوت، قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے۔ مولوی احمد رضا خاں علما دیوبند کی تحریرات اگر علما دیوبند کے سامنے ہی پیش کر دیتے

۱۔ سوانح اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۱۷۰ ۲۔ فرماتے ہیں: ”علما متعطلین انھیں کافر نہ کہیں کیونکہ یہی صواب ہے“ (تشیب ایام ص ۱۷۰) ۳۔ ضیاء القرآن جلد ۱ ص ۲۰۰

اور آپس کے افہام و تفہیم سے بات حل ہو جاتی تو اُنت کے دو محاذ ہرگز نہ بنتے لیکن افسوس کہ مولوی صاحب نے خود مصنفین سے تو ان عبارت کا ذکر کیا نہ کیا اور ان اردو عبارت کو لے کر ہزاروں سیل دور ان لوگوں کے پاس پہنچے جو اردو نہ جانتے تھے۔ اس صورتِ عمل سے یہ چلتا ہے کہ اصل بات تحریرت کو مل کرنے کی نہ مٹی اُنت کے دو محاذ بنائے مقصود تھے اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے خاندان کو بدنام کر کے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے کی انگریزی خدمت مقصود تھی۔

ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ

جس طرح قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے پوری جرأت ایمانی سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی پوری جرأتِ بطنی سے غلام ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا اور انہی دونوں اعلیٰ حضرت معروف ہوئے۔ آپ کا فتویٰ بھی سنئے :

”ہندوستان بفضلہ دارالاسلام ہے“

اس وقت تفصیل کا موقع نہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے پیش نظر مسلمانوں کو آپس کے دو محاذوں میں کھڑا کرنا تھا اور الزامات کی آڑ میں آخر یہ دو محاذ بن کر رہے اور مسلمان آپس میں اس طرح بیٹے کہ مولانا احمد رضا خاں کو کبھی بغیر ان کے پھر کٹھے ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یہی الزامات تو ان کی تردید بار بار ہو چکی ہے اور جو عقیدہ جس کے ذمے لگایا جائے وہی خود اس کا انکار کر دے تو اس الزام میں کیا جان رہ جاتی ہے۔ فتویٰ مذکور کے ٹائٹل کا فوٹو آگے ملاحظہ کیجئے۔

محدثین دہلی کے نقشبندی سلسلے پر عقاب

محدثین دہلی کا بیعت و ارشاد کا سلسلہ زیادہ نقشبندی تھا۔ شیعہ نقشبندی شکر و محبت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اِنَّا قَادَاتِ عَلَيْهِ
 اِمَامِ الْمَنَنْتِ مَجْدُودِيْنَ وَلَيْتِ اَعْلَى حَضَرِ
 عَظِيمِ الْبِرَّةِ قَبْلَهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
 سَنِي بِنَامِ تَارِيخِي

اعلام اعلام

بان

هَيْدِ سَيَاكُ الْاِسْلَامِ

بِاسْتِثْمَامِ
 جَنَابِ سَوْلَتَا سَوْلُوِيْ مُحَمَّدٍ الْبَرَكَةِ مُنَافِقَانِ
 صَاحِبِ خَلْفِ اَكْبَرِ حَضَرَتِ اَقْدَسِ سَيَاكُ الْاِسْلَامِ
 اَسْتَاذَةِ عَالِيَةِ رَضْوِيَّةِ وَاسْتِ
 بِرَكَاتِهِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اِنَّا قَادَاتِ عَلَيْهِ
 اِمَامِ الْمَنَنْتِ مَجْدُودِيْنَ وَلَيْتِ اَعْلَى حَضَرِ
 عَظِيمِ الْبِرَّةِ قَبْلَهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ
 سَنِي بِنَامِ تَارِيخِي

کے سنت خلاف تھے اس لیے مولوی احمد رضا خاں کو نقشبندی سلسلے کے بزرگ حضرت امام ربانیؒ
مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) سے کچھ کدسی تھی، انھوں نے جہاں کہیں آپ کا ذکر کیا ہے کہیں آپ
کنام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ بھی نہیں لکھا وہ انھیں اپنے بزرگوں میں ہی تسلیم نہیں کرتے، ایک تعامل
پر لکھتے ہیں :

”کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے ہم
ایسے شیخ کے غلام نہیں جس نے جو بتایا صحو (صحیح ہوش) سے بتایا، خدا کے
فرمان سے کیا تمام جہاں کے شیوخ نے جو ربانی دعوے کیے ہیں ظاہر کر دیا ہے
کہ ہمارا مسکو (نشہ) ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہ سے ہوتی ہیں، ناواقفیت یا سبکو
مسکو تو یہی ہے“

مولانا احمد رضا خاں پھر بڑے طنز سے انھیں خاندانِ دہلی کا بڑا لکھتے ہیں :-

تمام خاندانِ دہلی کے آقا سے نفرت

اس اندازِ کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صرف مولانا اسماعیل شہیدؒ کے
ہی خلاف نہ تھے۔ پورا خاندانِ دہلی ان کی آنکھوں میں کلکتا تھا وہ ان کو ہی نہیں ان کے سب
پیران و مشائخ کو بھی غیر آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پورے خاندان سے علم و معرفت
کے چشمے جاری تھے۔ توحید و سنت کی حمایت میں ان کا نقطہ نظر ایک ساتھ، ان کی فکر و لفظ میں

۱۔ گویا مجدد الف ثانیؒ آپ کے کچھ نہیں لگتے وہ جس کے ہیں وہ ان کو جانے غلام نہیں مولانا
احمد رضا خان کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے یہ نفرت کیوں تھی۔

۲۔ کیا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دعوے صرف ربانی جمع خرچ تھے اور کیا سب بے ہوشی کا
نتیجہ تھے (معاذ اللہ) حضرت کی شان میں کس قدر گستاخی ہے۔ انکو کہتے

۳۔ غلو خاں مولوی احمد رضا خاں حشرِ سوم مثلاً ایسا قوتِ الوسطہ صلاً الشاہدہ صلاً

سُنّت سے محبت اور بدعت سے نفرت کا بیج مجددِ اہل ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی نے ہی
 برپا ہوا تھا اور یہی تشبہ ہی شیوخ تھے جو ہندوستان میں شریعت کے چہرہ صافی کے گرد پہرے
 رہے تھے اور ایک ایک بدعت کا انکار کر رہے تھے۔ مولوی احمد رضا خاں کو اس کا طوطے سے حضرت
 مجددِ اہل ثانی کی شخصیت سے کوئی حقیقت نہ تھی اور یہ حق ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے ان اکابر
 دہلی کی مخالفت سے سُنّت کی خدمت نہیں کی بدعات کو فروغ دیا ہے۔

فقہ اور حدیث میں کمرے کھولنے کی پہچان اور کتابِ سُنّت کی صحیح تعبیر ان دنوں ہندوستان
 میں ان محدثین دہلی سے وابستہ تھی۔ اس خاندان کی مخالفت شاہراہ اسلام سے بغاوت اور انتشار کی
 طرف ایک نیا قدم تھا۔ مولانا حالی سرزمینِ محدثین کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :

اے جہاں آباد اے اسلام کے دارالعلوم اے کہ تھی علمِ دہن کی تیرے اک عالم میں دھوم
 تھے ہندو تہذیب میں اتنے جتنے گردوں پہ نجوم تھا افاضتِ تیرا جاری ہند سے ناشا اور دم
 زیب دیتا تھا لقبِ تجھ کو جہاں آباد کا
 نام روشن تجھ سے تھا عرفِ طاہر و بلند کا

تیری طہینت میں ودیعت تھا مذاقِ علمِ دین جیسے امی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں
 ہند میں جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چیں تھی محدث خیز لے پائخت تیر سر زمیں

تھا تہقہ بھی مسلم تیری خاک پاک کا
 بیہوشی وقت تھا اک اک فقیہ اس خاک کا
 شاد و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر آبِ دگل کا تیرے تھا گویا تصوف سے خیر
 تیرے کھنڈروں میں پڑے سب تیرے وہ بہنیر تھا کبھی انوار کے جن کے زمانہ مستنیر
 آج جس دولت کا بازار جہاں میں کال ہے
 تیرا قبرستان اس دولت کا مال ہے

محدثین دہلی کی صحیح یادگار

حضرت مولانا اسماعیل شہید اس خاندان کے مقبول چشم و چراغ، جلیل القدر عالم، نہت بڑے مجاہد اور نہایت اُونچے درجے کے ولی تھے۔ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے اور شاگرد تھے، حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کی پوتی اُم کلثوم بنت عبدالرحمن آپ کے نکاح میں تھیں۔ یہ اُم کلثوم حضرت شاہ عبدالعقاد محدث دہلوی کی نواسی تھیں۔ مولوی فضل رسول بدایونی یا مولوی احمد رضا خاں کی مخالفت سے اس استنادِ عقیدت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ مولوی اسماعیل شہید میں عقیدے یا عقیدت کا کوئی فرق ہوتا تو پہلے قطب الارشاد حضرت شاہ صاحبؒ، ان کے برادرانِ عالی مرتبت اور ان کے جانشین مسندِ دہلی حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی اس کا نوٹس دیتے، کیا وجہ کہ ان علماء کرام اور محدثین عظام کو تو ان میں کوئی غلطی نظر نہ آتی اور اس کا پتہ چلا تو صرف مولوی فضل رسول بدایونی کو جو خود انھنوں کے ہاں ملازم تھے۔

مسندِ دہلی مرحوم کے بعد دہلی کے روشن چراغ اطراف و اکناف میں پھیلے شاہ اسماعیل شہید ہوئے اور شاہ محمد اسحق جلاز بھرت کر گئے مدرسہ جیسے کچھ وقت تک حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کی قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے گونجتا رہا۔ ان کے بعد علمِ حدیث کی میراث دارِ العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور پہنچی دہلی میں اس کے آثار مدرسہ امینیہ میں منتقل ہوئے اور پھر ڈیپھیل اور ندوۃ العلماء تک فیض پھیلتا گیا۔ محدثین دہلی کی غلط علی اب بھی پوری آب و تاب سے قائم تھی اور ہر معروف مدرسہ انہی کے نام سے سند لیتا تھا۔

مولانا اسماعیل شہید اپنے اکابر اور دیگر مشاہیر ہند کی نظر میں

حضرت مولانا اسماعیل شہید اپنے علم و اعتقاد میں اپنے چچاؤں اور دادا سے سرسبز و سبز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی فضل رسول نے جب حضرت شہید کے نظریات پر تنقید کی تو انھیں ان

کے دادا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو بھی اس میں شامل کرنا پڑا اور حضرت شہیدؒ کے ساتھی حضرت شاہ محمد اہلی محدث دہلوی کے خلاف بھی سوا لکھنا پڑا اور یہ حقیقت ہے کہ یہ نوپا خاندان ہلی مولوی احمد رضا خاں کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالغفرؒ محدث دہلوی نے اپنے ایک مکتوب میں مولانا اسماعیل شہیدؒ کے لیے حجۃ الاسلام کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ حضرت شہیدؒ آپ کی زندگی میں زبان و قلم سے دین کی خدمت شروع کر چکے تھے۔ تقویۃ الایمان بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ایک نسخہ حضرت شاہ عبدالغفرؒ کی وفات سے چار ماہ پہلے کا کتابت شدہ ملا ہے۔ حضرت لانا عبدالغفرؒ جن کے متعلق حضرت شاہ عبدالغفرؒ فرماتے تھے کہ میرا نصف علم ان کے پاس ہے۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ہر وقت کے ساتھی تھے۔ دونوں حضرات مجاہد کبیر حضرت سید احمدؒ کے اراد مند تھے۔ صراط مستقیم شیخ کے افادات میں جنہیں ان دونوں حضرات نے جمع کیا ہے۔

حضرت سید احمدؒ تحریک جہاد کے مرکز کی تلاش میں پہلے نواب امیر خاں کے پاس پہنچے تھے۔ نواب صاحب کے آثار سرحد کے قبیلہ سالار زئی سے تعلق رکھتے تھے۔ نواب امیر خاں اپنے وقت میں راجپوتانہ کی ایک بڑی طاقت تھا اس نے انگریزوں کی ماتحتی قبول نہ کی تھی لیکن وہ انگریزوں کی چالوں کو اچھی طرح نہ سمجھ پایا یہاں تک کہ ۱۸۱۷ء میں اس کے حلیف سب ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے اور انگریزی فوجوں نے تین مختلف سمتوں سے وسط ہند کی طرف بڑھنا شروع کیا اور آخر کار نواب کو انگریزوں سے صلح کرنی پڑی۔ حضرت سید احمدؒ اس سے مایوس ہو گئے اور اسی وقت جے پور چلے گئے وہ جس امید پر نواب کے پاس آئے تھے وہ پوری ہوئی نظر نہ آئی اور اپنے نواب سے

۱۔ یہ خط کتب خانہ دیوان شمس الدین ریاست جہلپور میں موجود ہے اس کی سند رسالہ ہدایت ماہ مرقم ۱۳۰۹ھ مطبوعہ ملوا آباد میں بھی ملی ہے، مزید تحقیق کے لیے حضرت مولانا ابوالحسن ندوی کی کتاب تیسرے سید احمد شہیدؒ جلد اول صفحہ ۲۱۸ سے ۲۲۰ تک دیکھیے

اپنا تعلق توڑ لیا۔ یہاں سے آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو جو خط لکھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب ان کی برابر سرپرستی فرما رہے تھے اور یہ حضرات اپنے علم و عقائد اور فکر و نظر میں بالکل حضرت شاہ صاحب کے طریقے پر چل رہے تھے۔ یہی صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں لکھا تھا:

”یہ خاکسار سراپا الحکام حضرت کی قدم بوسی میں عنقریب حاضر ہوتا ہے
 یہاں شکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ نواب صاحب فرمائی گئی سے بل گئے
 اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔“

اس کے بعد آپ دہلی چلے گئے ان واقعات سے واضح پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور اپنے دوسرے بزرگوں سے سرو ہوئے ہوئے تھے۔ یہ انگریزوں کی چال تھی جس نے مولوی فضل رسول بدایونی سے ان کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا اور مجاہدین کو ہر طرف سے بنام کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مولانا اسماعیل شہید، مولانا عبدالحی اور حضرت سید احمد کچھ بھی اپنے بزرگوں سے ہٹے ہوئے ہوتے تو سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب ان پر گرفت کرتے۔ مولانا اسماعیل شہید آخر دم تک اپنے آپ کو اس خاندان کا رکن کہیں اور ایک دفتر دار فوجد تھے۔ آپ نے ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۳۵ھ کو یہ خط عطار شاہ کے نام اپنے شیخ کے حکم سے لکھا:

”ایں فقیر و خاندان فقیر و بلاد ہندوستان گننام نیست اوف

الوف انام از خواص و حرام ایں فقیر و اسلاف ایں فقیر رائے

دانند کہ مذہب ایں فقیر اباً عن جدی حقیقی است۔“

(ترجمہ) یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں۔ خاص و

عام کروڑوں لوگ اس فقیر کو اور اس کے خاندان کو جانتے ہیں کہ یہ فقیر

خاندانی طور پر معنی ہے لہ

حضرت شاہ اسماعیل شہید کے متعلق اس وقت کے دیگر اہل علم کی آراء گرامی بھی نہیں اور پھر ستم کشوں کی ستم گری پر سر دینے ان کی کتابوں کی جو سمجھ مولوی فضل رسول اور مولوی احمد رضا خاں کوہ تون بعد آئی وہ ان علماء اعلام اور اکابر وقت کو کیوں نہ آسکی۔ حتیٰ یہ ہے کہ ان کی عبادت میں کھینچا تانی غلط تعبیر اور سیر پھریکی یہ منظم سحر یک بہت بعد کی ہے۔ حضرت شہید کے زمانے کے ممتاز اہل علم سب ان کے ساتھ تھے اور کسی کو ان سے کفر و اسلام کا اختلاف نہ تھا۔

صدر الصدور مولوی عبدالقادر رامپوری (۱۲۶۵ھ) لکھتے ہیں :

دہلی میں مولوی اسماعیل خلیف مولوی عبدالغنی خلیف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو حسن بیان قوت استنباط اور تیزی ذہن میں اس زمانہ میں اپنے دادا اور چچاؤں کی یاد گارتھے مخلوق کو ان بدعات سے روکنے پر جدوجہدات بلکہ واجبات میں غلط ہو گئی ہیں، بہت باندھ رکھی تھی جو مجھ کے دن جامع مسجد میں اور دوسرے دنوں اس قسم کے مجمعوں میں بیان کرتے تھے لہ

صدر الصدور دہلی مفتی صدر الدین (۱۲۸۵ھ) کی رائے

تقویۃ الایمان کو نظر اجمالی سے دیکھا ہے باعتبار اصول اور اصل مقصود کے بہت غریب ہے اور مولوی اسماعیل صاحب کو ایسا دیکھا کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا۔ یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے پارہ ۴ سورۃ آل عمران ع ۹ میں فرمایا ہے۔ الذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا الیکم فاخشوہم فزادہم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ۔

لہ یہ خط حضرت سید محمد بریلوی کا ہے مگر مضموناً یہ مولانا اسماعیل شہید کو بھی شامل ہے۔

لہ وقائع عبدالقادر خانی، اردو ترجمہ، علم و عمل جلد ۲ ص ۲۳۲

مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری

”مولانا محمد اسماعیل مغفور عالم ربانی و مصدر فیوض یزدانی بودند قوت نظریہ از علوم نقلیہ و عقلیہ بآں مرتبہ داشتند کہ زبان ناطقہ مشاہیر علماء عصر و جناب تقریر ایشان لال بود و حاسدین اہل علم را رو بر تے ایشان بجز سرمہ خاموشی در گو حرف زدن محال مے نمود“

ترجمہ: ”مولانا محمد اسماعیل ایک مغفرت یافتہ عالم ربانی اور رب العزت کے فیوض کا چشمہ تھے۔ علوم نقلیہ و عقلیہ میں ایسی بلند مرتبہ قوت نظریہ رکھتے تھے کہ مشاہیر علماء عصر کی زبان ان کی تقریر کے سامنے گنگ تھی اور حمد کرنے والے اہل علم کو ان کے سامنے سرمہ خاموشی کے سوا کچھ سے بات نہ کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔“

حضرت مفتی صدر الدین صاحب اور حضرت مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری دونوں حضرات شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ انوار ساطعہ کے مصنف مولوی عبد الہیچ رامپوری ان حضرات کی بہت تعریف کرتے ہیں، ان حضرات کے یہ فتاویٰ ایک صدی سے شائع ہو رہے ہیں ان پر طعن کرنے اور ان علماء عصر کی اس قسم کی تصریحات سے تپہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اور ان کی کتابوں کے متعلق اس پہلے دور کے اکابر اہل علم کی رائے بہت اچھی تھی اور یہ الزام تراشی اور بہتان بندی بہت بعد کی ایجاد ہے۔ یہ ایک سازش تھی جس کا مقصد اہل السنۃ مسلمانوں کو دھڑلے دھڑلے کرنا تھا اور نادان مولوی آج تک اس لیکر کر پٹیتے چلے جا رہے ہیں۔

مولانا فضل حق خیر آبادی

مولانا فضل حق خیر آبادی نے ایک دو ملی باتوں میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ سے اختلاف کیا تھا لیکن یہ اختلاف کسی الزام پر مبنی نہ تھا نہ اس میں مولانا اسماعیل شہیدؒ کو کافی الجھڑا قرار دینے

کی کوئی تجویز تھی۔ تاہم مولانا خیر آبادی بہت سعادتمند تھے کہ انھوں نے مولانا اسماعیل شہید کی مفت سے رجوع کر لیا تھا۔ آپ نے جب محرکہ بلا کوٹ میں مولانا اسماعیل شہید کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا: "اسماعیل کو ہم مولوی (ہی) نہیں مانتے تھے بلکہ وہ اُمت محمدیہ کا حکیم تھا کوئی شے نہ تھی جس کی انیت اور لیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔ امام رازی نے اگر حاصل کیا تو دو دو چار خ کا کہ (رات کو چارخ کا کہ) روکشی میں محنت کر کے، اور اسماعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعدادِ خدا داد سے"۔ لہ

مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی۔ وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا، مجھ پر جو مصیبت پڑی میرے انہی اعمال کی مناسبت ہے، میری مولوی اسماعیل سے دوستی تھی، میں بھی اُن کے ساتھ شہید ہوا مگر کیا کیا جائے، بدایوں والوں نے اُمتِ اکرام سے بھڑا دیا۔" لہ

مولانا فضل حق خیر آبادی جب مخالف بھی تھے تو اُن کے شاگرد حضرت مولانا سراج الدین لکھنوی وغیرہ سب مولانا اسماعیل شہید کے ساتھ تھے اپنے استاد کے ساتھ نہ تھے، اس سے مولانا خیر آبادی کے اختلاف کا وزن آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مولانا سراج الدین نے اس بحث میں مولانا خیر آبادی کے خلاف ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ دیکھئے۔ نزہۃ الخواطر جلد ۱ ص ۱۹۷

حضرت مولانا اسماعیل شہید کے بارے میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے بدلے موقوف کی تائید مولانا کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے بیان سے بھی ہوتی ہے آپ معنولات میں اپنے والد مرحوم کے باشعور تھے۔

کسی نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ بھی مولانا عبدالحق صاحب سے منطق کی کچھ کتابیں پڑھ لیں مولانا احمد رضا خاں صاحب کی مولانا عبدالحق سے جو گفتگو

لہ احیاء ص ۱۱۱ امیر الروایات ص ۱۱۱ روایت مولانا امیر شاہ خاں عن المفتی عنایت اللہ مرحوم

ہوتی اسے ہم المیزان کے احمد رضا نمبر سے نقل کرتے ہیں :

پوچھا بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے ؟ فرمایا تدریس و تصنیف اور افتاء۔
پوچھا کس فن میں تصنیف کرتے ہو ؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا جس مسئلہ
دینیہ میں ضرورت دیکھی اور دوہابیہ میں۔ علامہ نے فرمایا آپ بھی
رد و ہابیت کرتے ہیں ایک وہ ہمارا بدایونی خطی ہے کہ ہر وقت اس
خط میں مبتلا رہتا ہے یہ اشارہ تاج الفحول عب الرسول حضرت مولانا
شاہ عبدالقادر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ کے استاد بھائی دوست
اور ساتھی تھے اعلیٰ حضرت آزرہ خاطر ہوئے لے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا اسماعیل شہید کے بارے میں خیر آبادی حضرات کا وہ موقف
نہ تھا جو بدایوں اور بریلی کے ان علماء نے اختیار کر رکھا تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی
اپنے اختلاف کو ختم یا بالکل نرم کر چکے تھے اور وہ شدت جو بریلیوں نے ان کی خلاف
اختیار کی اسے ایک خط سمجھتے تھے۔

مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی تحقیق میں مولانا خیر آبادی اور مولانا
اسماعیل شہید میں جب اختلاف تھا تو سبھی وہ محض اجتہادی قسم کا تھا ہدایت و ضلالت کا
اختلاف نہ تھا نہ اس میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم تھے پیر صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں
مسئلہ امتناع نظیر | اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی
کی فریقین اسماعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے شکر اللہ تعالیٰ میعہم السلام
دونوں کو ماجور و مشاب جانتا ہے لے

مولانا رشید الدین کی مخالفت

مولانا رشید الدین صاحب کی مخالفت بھی برسہا برسہا قبل جیسے چند مسائل سے متعلق تھی اور اس اختلاف میں کفر و اسلام کے فاصلے ہرگز نہ تھے۔ نہ کوئی فریق کسی فریق کے کفر و احماد کا قائل تھا مولانا رشید الدین کے صاحبزادے مولانا سدید الدین کا عظیم علمی کتب خانہ جب ۱۸۵۷ء کے حادثات میں ضائع ہو گیا تو انہوں نے کہا :

”ہم کو اپنے کتب خانہ کے ٹٹ جانے کا اس قدر افسوس نہیں جس قدر ان حواشی کے ضائع ہو جانے کا ہے جو مولانا شہید نے علمی کتابوں پر لکھے تھے، کیونکہ وہ کتابیں پھر بھی مل سکتی ہیں مگر ان حاشیوں کا اب بننا محال ہے۔“

یہ وہ خراج تحسین ہے جو حضرت مولانا اسماعیل شہید نے اپنے سے اختلاف رکھنے والے علماء کے جانشینوں سے وصول کیا۔ وہ حضرات سعادتمند تھے جنہوں نے اختلاف کے یہ فاصلے اپنے وقت میں اور بھی کم کر لیے تھے ایسے مولانا اسماعیل شہید سے اختلافات کفر و اسلام کے اختلافات نہ تھے۔

حضرت علامہ مولانا حید علی رامپوریؒ | آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے قائد تحریک حضرت سید الشہید نے اپنے حلقہ حقیقت میں کیا روح پھونک رکھی تھی اسے ان کی زبان سے سنئے حضرت مولانا اسماعیل شہید اس حلقے کے رکن رکین تھے علامہ حیدر علی جیسی عظیم شخصیت کی ہمنوائی بتلا رہی ہے کہ ان مجاہدین کے عقائد کسی طرح صراطِ مستقیم سے جھکے ہوئے نہ تھے حضرت مولانا حید علی لکھتے ہیں :

”ان کی ہدایت کا نور آفتاب کی مثل کمال زور اور شور کے ساتھ بلند اور قلوب عباد میں منور ہوا۔ ہر ایک طرف سے سعیدان ازل رخت سفر

باندھ کر منزلوں سے آگے، شرک و بدعات وغیرہ منہیات سے کہ حسب عادت زمانہ خگر ہو رہے تھے توبہ کر کے توحید و سنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں خلفاء راست گردار جناب موصوف کے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دین محمدی کی راہ راست بتادی، جن کو سمجھ تھی اور فوجی الہی نے ان کی دست گیری کی وہ اس راہ پر چلے۔

اور ہزاروں خلیفہ جا بجا مقرر ہوئے کہ ان سے ایک سلسلہ بیعت و ارشاد و تلقین جاری ہے اور وہ لوگ جو نماز روزے سے بیزار اور بھنگ بوزے سے کاروبار رکھتے تھے، شراب اور تازی ان کے بدن کا خمیر ہو رہا تھا، بڑا کہتے تھے کہ نماز کمپنی کا حکم نہیں اور نہ روزہ کو نسل کا آئین۔ زکوٰۃ و حج کا پھر کیا ذکر ہے؟ شب و روز رشوت و زنا و مردم آزاری اور سود خوری میں مشغول رہتے تھے اور مرد و عورت مثل حیوانات بے نکاح باہم ہوتے اور سینکڑوں ولد الزنا ان سے پیدا ہوتے اور صد ہا پیر و جوان ناخون نصاریٰ اور مشرکوں کے مثل تھے، محض حضرت کی تعلیم سے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نکاح اور غننے کروائے۔ نیک پاک اور متقی ہو گئے۔ حضرت کے ہاتھ پر دس دس ہزار آدمی ایک ایک بار بیعت کرتے گئے اور بہت بہت ہنرور اور افضی اور جوگی اور انست حضرت کے ارشاد و تلقین سے خالص مسلمان ہو گئے اور بعضے نصاریٰ اپنی قوم سے آکر خفیہ ایمان لے آئے پھر ہزار علمائے بعد حصول بیعت و خلافت رہنمائی خلق اللہ اختیار کی بعضوں نے وعظ و نصیحت و ارشاد و تلقین کو عادت سی ٹھہرائی اور بعضوں نے آیات قرآنی و احادیث صحیحہ کی کتابیں لکھیں اور رسالے اور ترجمے شائع کیے کہ جس میں غیب و عبادات اور تربیب گناہ ہی سے اپنے ملک کی زبان میں پیشہ اپنا کر کے

ہزاروں جہلا کو کہ سید حاکم بھی ٹھکانوں میں جانتے تھے، عالم بنادیا اور
بعضوں نے دونوں طریقے اختیار کیے۔ اے
مولانا عبد الاحد جو اس پاک طینت قافلے کے بہت سے افراد سے ملے تھے اپنے
تأثرات ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

• حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ
کفار مسلمان ہوئے، اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور
جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ تمام نوے زمین پر جاری
ہے۔ اس سلسلہ میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔ اے
مجاہد فی سبیل اللہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں :
”جس وقت دعوت کی آواز ملک ہندوستان میں بلند ہوئی، تمام
ملک کے لوگ پروانوں کی طرح اس شمع ہدایت پر ہجوم کرنے لگے۔ یہاں
تک کہ ایک روز میں دس دس ہزار آدمیوں کی جماعت بیعت ہونے لگی،
ان کا گروہ روز بروز بڑھتا گیا، اور ہزار ہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے
مشرف ہوئے اور ہزار ہا لوگوں نے مذاہب باطلہ سے توبہ کی، پانچ چھ برس
کے عرصہ میں ہندوستان کے تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی
اور سفر حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے، ان سب لوگوں
میں ہزار ہا عالم ہیں اور ہزار ہا عاقل اور سینکڑوں حافظ ہیں اور سینکڑوں مفتی

اور بہتیرے جہانگیر ہیں اور بہتیرے گار آزمودہ اس سے صاف ظاہر ہو

لے حیائۃ الناس عن وسوسۃ الخناس از مولانا عبد علی رامپوری مطبوعہ ۱۳۱۷ھ

۱۳۱۷ھ : اے سرخ احمدی

کہ اللہ کے حضور میں اُن کی بڑی تہنیت اور تائید ہے کہ تملی خلافت کا دل ان کی طرف بے اختیار کھینچا جاتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر مرید ہوتے ہیں لہٰذا اعلیٰ کی یہ جذب صادق کس طرح سعادتمندوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی اور ان کی زندگیوں کا رخ کیسے بدل جاتا تھا اسے ان کے الفاظ میں پڑھیے۔

”اس تبرک گروہ کا اثر دریافت کیا جائیے کہ جو شخص اعتقاد کے ساتھ

اس گروہ میں داخل ہوا اور اس نے بیعت کی۔ اسی وقت سے اس کو دنیا سے نفرت اور آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور روز بروز یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے اور شرک و بدعت سے محض پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی محبت و عظمت شروع کی تعظیم و توقیر و نماز کا شوق سب اس کے دل میں جگہ پڑتے ہیں، اللہ کے مخالف اس کو بُرے لگتے ہیں، اگر چہ باپ دادا ہوں، بیٹا بیٹی یا پیرِ اُستاد۔ دل میں اللہ کا خوف کچھ ایسا آ جاتا ہے کہ ان کی مروت ہرگز باقی نہیں رہتی اکثر لوگوں نے عمدہ نوکریاں چھوڑ دی ہیں۔ حرام پیشے ترک کر دیئے اور کتنے خانماں سے ہاتھ اٹھا کر محض اللہ کے واسطے بکل پڑے، اور اس گروہ کے سبب ایک عالم نازی ہوا، بلکہ اس گروہ کو دیکھ کر گمراہ کرنے والے بھی اپنے

معتقدوں کو نماز کی تلقین کرنے لگے کہ ہمارے لوگ کہیں ہم سے نہ پھر جائیں لہٰذا

مولانا کر امت علی صاحب جونپوری (م سن ۱۲۰۹ھ) جو خود اپنے وقت کے ایک بڑے

مصلح و داعی اور بنگال کے حق میں (جو عرصہ سے صحیح اسلامی زندگی اور اسلامی تعلیمات سے

نا آشنا تھا) خدا کی رحمت اور تاثیر و ہایت میں اس کی ایک نشانی تھی۔ اپنے رسالہ

لے رسالہ دعوت مشمولہ مجموعہ رسائل تسبیح از مولانا ولایت علی عظیم آبادی ۶۵ء رسالہ دعوت

از مولانا ولایت علی عظیم آبادی صادق پوری مشلا۔

”مکاشفاتِ رحمت“ میں سید صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اُن کے اوصاف و کرامات لکھنے کی حاجت نہیں، تمام ملک میں مشہور ہیں۔ اس سے بڑھ کے کیا کرامات ہوں گی کہ اس ملک کے مردوں و عورتوں میں نماز روزہ خوب جاری ہو گیا اور آگے ہندوستان کے پیرزادوں اور مولویوں سے لے کے عوام لوگوں تک کی عورتوں میں نماز کا چہرہ چاہی نہ تھا اور اب بالکل ہر قوم کی عورت مرد نماز میں مستعد ہو گئے ہیں، قرآن شریف کا صحیح اور باتجربہ پڑھنا اور قرآن شریف کا حفظ خوب جاری ہو گیا ہے، اور حافظوں کی کثرت ہوئی ہے، یہاں تک کہ عوام لوگوں کی عورتیں حافظ ہوئیں اور دیہات اور شہروں میں لوگ حفظ کر رہے ہیں اور پرانی مسجدیں آباد ہوئیں اور نئی مسجدیں بننے لگیں۔ ہزاروں آدمی مکہ مدینہ کے حج اور زیارت سے مشرف ہوئے اور شرک اور بدعت اور کفر کی رسم اور خلافِ شرع کام سے لوگ باز آئے اور سب کو دین کی تلاش ہوئی اور دینی کتابیں جو نادر اور کیاب تھیں سو شہر گادوں میں ہر کہیں گھر گھر پھیل گئیں اور حقیقت میں حضرت سید احمد صاحب اس زمانہ کے سارے مسلمانوں کے مرشد ہیں۔ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، جانے یا نہ جانے، مانے یا نہ مانے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے مجدد کیا ہے، اس کے طریقہ میں داخل ہونا دین میں مضبوطی کی نشانی ہے۔“

حضرت مولانا احمد الدین بگوییؒ کی رائے گرامی | حضرت مولانا احمد الدین بگوییؒ ۱۲۸۶ھ

حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے مگر سند آپ کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے دی تھی حضرت مولانا غلام محمد

”مکاشفاتِ رحمت“ از مولانا کرامت علی جوہری

بگوی آپ کے غلیفہ مجاز تھے۔ آپ کا منہ راجام مسجد بھیرہ ضلع سرگودھا میں ہے۔ آپ بگوی خاندان کے مورث اعلیٰ اور پنجاب کے علماء و مشائخ کے سرناج تھے۔ حدائق الحنفیہ میں ہے۔
پنجاب میں کوئی صاحب علم ان کی شاگردی سے بے بہرہ نہ ہوگا کوئی بالذات کوئی بالواسطہ ان کے تلامذہ میں منتسب ہوگا۔ حدائق الحنفیہ ص ۵۵

جناب اقبال احمد صاحب فاروقی نے تذکرہ اہل سنت و الجماعۃ لاہور میں نہایت شاندار الفاظ میں آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ آپ مولانا اسماعیل شہیدؒ کے بہت معتقد تھے۔
حضرت مولانا احمد الدین بگویؒ (۱۲۸۶ھ) سے مختلف موضوعات پر دس سوال کئے گئے۔ آٹھواں سوال حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے بارے میں تھا۔ جوابات عشرہ کاملہ کے نام سے مطبع فخر المطابع دہلی نے ۱۲۷۲ھ میں شائع کئے تھے۔ آٹھواں سوال اور اس کا جواب ملاحظہ کیجئے۔
مسئلہ آٹھواں :- بعضے لوگ مولوی اسماعیل مرحوم کو کافر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس نے تقویت الایمان میں بعضے کلمے کفر کے کہے ہیں۔ یہ بات کس طرح ہے ؟

جواب :- مسلمانوں کو کافر کہنا، ایک وجہ سے کفر ہے، اور ایک وجہ سے کبیرہ۔ چنانچہ تفصیل اُس کی کتب فقہ میں موجود ہے، چہ جائے ایسے مسلمان کو کافر کہنا کہ حافظ، عالم اور حرمین شریفین کی زیارت کرنے والا اور اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو چھوڑنے والا، اور غازی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والا۔ چنانچہ مولوی اسماعیلؒ کے ظاہر حال میں دُنیا سے پاک و صاف ہو کے گیا، بموجب قول اللہ تعالیٰ : وَلَا تَمُوتُوا اِلَّا وَ اَنْتُمْ عَلٰی سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۤمٌ ؕ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ (یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں جانتے)۔ اور تفسیروں میں لکھا ہے کہ شہید رزق دیے جاتے ہیں اور کھاتے ہیں، اور برخورداری اٹھاتے ہیں مانند زندوں کے اور اُن کی ارواح ہر رات میں عرش کے نیچے سجدہ اور رکوع کرتی ہیں قیامت تک۔ اور شہید کا جسم قبر میں بودا نہیں ہوتا، اور اُس کو آگ نہیں کھاتی، اور قیامت تک جو شخص اُن

کو سلام کرے، اس کو جواب دیتے ہیں۔ اور سوائے اس کے بہت آیتیں اور حدیثیں شہید دل کی تعریف میں ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حاجی اور مہاجر کے پہلے گناہ سب دُور ہو جاتے ہیں۔ سو جو کوئی ایسے شخص عالم، فاضل، مُتبعِ سنت کے حق میں بدظنی اور کُفر کا اعتقاد کرے، وہ آپ ہی اس بلا میں مبتلا، اور مُنکر ہے آیات اور احادیث کا۔ بلکہ کسی مُسلمان کی تکفیر درست نہیں، خاص کر موت کے بعد۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ اُس نے کلماتِ کفر کے تقویۃ الایمان میں کہے ہیں، سو محض غلط ہے، اور بے بھی ہے، بلکہ اُس بزرگ نے کمال توحید کا بیان کیا ہے۔ اگر بنظر انصاف دیکھئے، اور جو کلام کسی بزرگ کی اپنے ذہن میں برخلافِ شرع معلوم ہو، اس کی تاویل صحیح کرنی چاہیئے، اور اسی طرح مشائخ کی کلام بھی تاویل طلب ہے، جیسے قول مولانا رُوم علیہ الرحمۃ کا شعر :

من ز قرآن مغرما برداشتم

استخوان پیش سگاں انداختم

سو ایسے بزرگوں کی تکفیر ادنیٰ اہل علم نہ کرے گا، مگر وہی سفیہ احمق جو اُن کے لحوال سے واقف نہ ہوگا، یا دل میں فساد رکھتا ہوگا، یا کلمہ دین کا اُسے حلق سے نیچے نہ اُترا ہوگا۔ اللہ سب مسلمانوں کو ایسی بدظنی سے محفوظ رکھے۔ عشرہ کاملہ مطیع فخر المطاہ دہلی

حضرت شاہ اسماعیل شہید کی تحریکِ جہاد

حضرت مولانا اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی ان مجاہدین کے سرخیل تھے جن کے امیر حضرت سید احمد بریلوی خلیفہ قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالغفر زعمت دہلوی تھے۔ یہ دونوں حضرات آپ سے بیعت تھے۔ یہ تحریک دہلی سے شروع کی جاتی تو مجاہدین کی عام لام بندی اور ہجرتی بہت شکل ہو جاتی اور کسی فوجی کارروائی کا آغاز کرنے سے پہلے ہی یہ تحریک ختم کر دی جاتی۔ یہ حضرات تحریک آزادی کی جگہ اس طرح نہ لڑنا چاہتے تھے کہ محض شہادت پالیں بلکہ ان کے پیش نظر اولاً ایسے

حالات پیدا کرنے تھے کہ حق کے غلبہ عام کے لیے زمین ہمارا ہو جائے اور سرفروش مجاہدین غامی تعداد میں ان کے گرد جمع ہو سکیں۔

تحرک کا نصب العین اور طریق کار

اس تحریک جہاد کا نصب العین پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے بچھڑانا اور اس میں قرآن و حدیث کا عادلانہ نظام لانا تھا۔ چونکہ اس وقت ہندوستان کی مرکزی غیر مسلم طاقت انگریز تھے۔ یہ مجاہدین چاہتے تھے کہ اس مرکزی طاقت سے ٹکرا لینے سے پہلے اپنا ایک مضبوط مرکز بنائیں قائم ہو جائے۔ یہ مرکز دہلی یا وسط ہند میں قائم کرنا مشکل تھا۔ اس کے لیے ایسے مقام کی ضرورت تھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور ان حدود کے قریب کوئی آزاد مسلم ملک بھی ہو۔ قائدین تحریک بیک وقت اپنی تمام مخالف قوتوں کو جگجگنا نہ چاہتے تھے۔ انھوں نے اس عظیم نصب العین کے لیے یہ طریق اختیار کیا کہ پہلا محاذ سکھوں کے مقابلے میں کھولا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر انھیں پنجاب میں غلبہ مل جاتا ہے تو پھر پورے ہندوستان کی جنگ آزادی بڑی کامیابی سے لڑی جاسکتی ہے۔ اس میں پیچھت بھی تھی کہ یہ قائدین تحریک جب دہلی سے روانہ ہوں گے تو راستے میں مختلف مقامات کے سینکڑوں مسلمان ان کے ساتھ ہوتے جائیں گے۔ پورے ملک میں آزادی کی لہر دوڑ جائے گی اور چونکہ براہ راست ٹکڑے انگریزوں سے نہیں سکھوں سے ہوگی اس لیے انگریز ابھی سے سامنے نہ آئیں گے۔

ادھر انگریز بھی بہت ہوشیار تھے وہ براہ راست ٹکڑے لینے کی بجائے دوسروں سے ہی اس تحریک جہاد کو دلوانا چاہتے تھے۔ سکھوں کو ان کی سرپرستی حاصل تھی اور وہ سکھوں کو یہ تاثرات دے رہے تھے کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں سکھوں پر بہت ظلم کیے تھے اس لیے اب انھیں مسلمانوں کو کسی قیمت میں برداشت نہ کرنا چاہیے۔ حضرت مسیح موعودؑ اور مولانا اسماعیل شہید کا طریق کار یہ تھا کہ پہلا محاذ سکھوں کے خلاف کھولا جائے اور پنجاب پر قبضہ کر کے پھر پورے ہندوستان کی جنگ آزادی لڑی جائے۔

تحریک کی اصولی منزل

مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلویؒ نے شاہ بخارا کے نام جو خط لکھا وہ مکاتیب شاہ اسماعیل شہیدؒ میں موجود ہے۔ اس میں تحریک کے اس نصب العین پر کافی شہادت ملتی ہے کہ یہ حضرات بالآخر سارے ہندوستان کی آزادی چاہتے تھے، اس خط میں ہے :

”ہر گاہ بلاد اسلام در دست کفار نام افتد بر جہاں سیر اہل اسلام عموماً و
شاہیر حکام خصوصاً واجب و موکدے گردد کہ سعی و کوشش در مقابلہ و مقابلہ
انہما بجا آرد تا وقتیکہ بلاد سلیمین را از قبضہ ایشان بر آرد والا آثم و گناہگار سے شوند
و عامی و دستگار و از در گاہ قبول مردود سے گزند و از ساحت قرب مطرود“ لے
(ترجمہ) ”جب اسلامی علاقے کافروں کے قبضے میں چلے جائیں تو جمہور اہل اسلام پر عموماً اور شاہیر
حکمرانوں پر خصوصاً واجب ہو جاتا ہے کہ ان کے مقابلہ اور مقابلہ میں کوشش اور عمل بجا
لائیں یہاں تک کہ بلاد سلیمین کو ان کے قبضے سے پھیرالیں ورنہ گناہگار و نافرمان اور ظالم
ٹھہریں گے۔ ہر گاہ قبول میں مردود ہونگے اور قرب حق کے میلان سے دور پھینکے جائیں گے“

اگر سکھ غیر مسلم تھے جو پنجاب پر قابض تھے تو انگریز بھی تو غیر مسلم تھے جو سارے ہندوستان
پر چھا رہے تھے۔ اس خط میں سبب جہاد بلاد اسلام کو غیر مسلم قبضے سے پھڑکانا لکھا ہے۔ پس جو سبب
سکھوں کے خلاف موجب جہاد تھا وہ انگریزوں کے مقابلے میں بھی کار فرما تھا۔ یہ صرف طریق کار کی
ترتیب تھی کہ پہلی متحرک سکھوں سے لی گئی۔

مجاہدین سرحد کی طرف روانہ ہوئے، جہاں جہاں سے یہ حضرات گزرتے سینکڑوں مسلمان
ان کے ساتھ ہوتے جلتے اور تحریک کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا۔ اگر یہ تحریک دہلی سے شروع کی جاتی تو
لے مکاتیب شاہ اسماعیل شہیدؒ صر مکاتیب سید احمد شہیدؒ صلا جانب اول

تحریک دودن سے زیادہ آگے نہ جاتی ورنہ کون نہیں جانتا کہ مولانا سہیل شہید اور حضرت سید احمدؒ اپنے شیخ طریقت قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتوے کے مطابق پورے ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے۔ شاہ بخارا کو یہ بھی لکھا ہے :

”کفار فرنگ کہ بر سر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار و ہشیار و جیلہ باز و متکار اند اگر بابل خراسان بیاند برسولت تمام جمیع بلاد آہنار بادست آزد باز حکومت آہنار بولایت آہنار متصل گرد و اطراف دارالحرب باطراف دارالاسلام متحد شود۔“ ۱۵

(ترجمہ) ”انگریز کفار جو ہندوستان پر غلبہ پا چکے ہیں بہت تجربہ کار، ہشیار، جیلہ باز اور متکار ہیں، اگر اہل خراسان کے پاس آئیں تو بہت آرام سے ان کے تمام علاقے اپنے قبضے میں لے لیں گے پھر ان کی حکومت آپ کی مملکت تک بھی جا پہنچے گی اور دارالحرب اور دارالاسلام کے کنارے باہم جا ملیں گے۔“

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور حضرت مولانا سہیل شہیدؒ کا نظریہ انگریزوں کے بارے میں کیا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات صرف سکھوں کے خلاف تھے۔ انگریزوں کے خیر خواہ تھے۔ ان کی یہ سوچ حقیقت سے بہت دور ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ اس ٹھوسی کشمکش میں ان لوگوں نے اس خط میں بھی تحریف کر دی اور کفار فرنگ کی بجائے کفار دراز مریوں (لبے بالوں والے کافر یعنی سکھ) اور ہندوستان کی بجائے پنجاب لکھ دیا۔ اور عبارت یوں بنا دی :

”کفار دراز مریاں کہ بر ملک پنجاب تسلط یافتہ اند۔“

دین کی معمولی بصیرت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ سید جلالی لبے بالوں کا کوئی دخل نہیں کافر لبے بالوں والے ہوں یا چھوٹے بالوں والے حاکم سب ایک سے ہیں۔ یہ کوئی وجہ فراق نہیں جو

یہاں ذکر کی گئی ہے پھر تاریخ گواہ ہے کہ سکھوں کو کبھی تقریباً کار اور عقلمند و ہشید نہیں کہا گیا۔ پس یہ عبارت اپنے سابق سے بتا رہی ہے کہ اس میں تحریف ہوتی ہے۔

حضرت سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسماعیل شہید کے خطوط میں ایک اور جگہ انگریزوں کا یہ ذکر ملتا ہے :

”نصاریٰ کو ہیدہ خصال و مشرکین بدآل بر اکثر بلاد ہندوستان اذ لب دریائے اہسین، ساحل دیائے شور کہ تھمنا شش ماہ راہ باشد تسلط یافتند و اقم تشکیک و نزویر بنا، برا خمال دین رب نجیر بر یافتند و تمامی آن اقطاع بہ ظلمات ظلم و کفر مشغول گردائینند“

(ترجمہ) ”پہنسلٹ انگریز اور بد انجام مشرک ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر دیائے اہسین سے سواصل دریائے شور تک کہ تقریباً چھ ماہ کے سفر کا فاصلہ ہو گا تا جہن ہر جگہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی پامالی کے لیے تشکیک و فریب کا جال بٹن چکے ہیں یہ تمام علاقے ظلم و کفر کی تاریکیوں سے بھر چکے ہیں“

یہاں مشرکین اور نصاریٰ دونوں کا ذکر بڑی صراحت سے موجود ہے۔ افسوس کہ اس عبارت کو بھی ان لوگوں نے یوں بدل دیا :

”سکھان کو ہیدہ خصال و مشرکین بدآل بر اکثر اقطاع غربی ہندوستان تسلط یافتند“ (ترجمہ) بدخو سکھ اور بد انجام مشرکین ہندوستان کے بیشتر غربی علاقوں پر قبضہ پا چکے ہیں۔

یہاں اکثر اقطاع غربی ہندوستان کے الفاظ محض اس لئے لائے گئے کہ پنجاب کی طرف اشارہ ہو سکے اور انہیں کسی نہ کسی طرح سکھوں سے متعلق کیا جاسکے، ورنہ اصل الفاظ اکثر بلاد ہندوستان تھے۔

تحریک کارخ انگریزوں سے ہٹانے کی کوشش

تواریخ عجیبہ میں اس تحریک کارخ انگریزوں سے ہٹانے اور اسے صرف سکھوں تک محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تحریف خود تواریخ عجیبہ کے مصنف سے سرزد ہوئی یا کسی اور نے دیدہ و دانستہ اسے ان کی کتاب میں جگہ دے دی اور کسی سیاسی مصلحت یا اختلاف عقیدہ کے باعث یہ مضامین بدلے گئے۔ یہ اس وقت موضوع بحث نہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ تحریف مزور ہوئی، مولانا اسماعیل شہید کی اپنی تحریرات تواریخ عجیبہ کی نقل سے بدرجہا زیادہ معتبر ہیں، وہ خود صاحب واقعہ ہیں اور تواریخ عجیبہ ان کے کافی بعد کی تالیف ہے، ہاں اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ شداد بالاکوٹ کی تحریرات شروع سے ہی مخالفین کا تحقیر مشق بنی رہی ہیں اور وہ ان میں لفظی و معنوی تحریف کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

ایمر تحریک حضرت سید احمد کے ایک مرید شیخ غلام علی الزباد رہتے تھے۔ یہ حضرت سید صاحب کے ساتھ جلاویں نہ گئے تھے۔ سید جعفر علی نقوی جہاد کو جاتے ہوئے انھیں رستے میں ملے تھے شیخ غلام علی مرحوم نے اس ملاقات میں سید جعفر علی صاحب سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا:

”اب جاری نظر اس لشکر اسلام کی فتح پر لگی ہوئی ہے اور ہماری محاش

کی اصلاح بھی اسی پر موقوف ہے۔“

الہ آباد پنجاب میں نہیں ہندوستان میں ہے، حضرت سید احمد کی تحریک جہاد سے الزباد کے حالات کی اصلاح صرف اسی صورت میں تصور ہے کہ حضرت سید صاحب کے پیش نظر پنجاب پر قبضہ پانے کے بعد پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانا اور بلاد اسلام کو پھر مسلمانوں کے قبضے میں لانا تھا حضرت سید احمد شہید شاہزادہ کامران کے نام ایک خط میں تصریح کرتے ہیں

مقصود اصلی خود اقامت جہاد بر ہندوستان است نہ توطن در یاد فراموش
(ترجمہ) ہمارا اصلی مقصد پورے ہندوستان پر شکر کشی ہے نہ کہ دوسرے
علاقہ کو وطن بنا کر بیٹھ رہنا۔
پھر ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں :

بس اینقدر ضروری است کہ بلاد ہندوستان از اہل دار الحربست
بل کفر ہندو و فرنگ بفعل برآں مسلط گردیدہ پس استخلاص بلاد مذکور از
دست آنہا بزمہ چاہیہ اہل سلام عموماً و مشاہیر حکام خصوصاً واجب ایں
فقیر بقدر استطاعت خود کوشش مے نماید آنجناب را لازم کہ بقدر طاقت
خود سعی فرمائید

(ترجمہ) بس اتنی بات ضرور ہے کہ ہندوستان بنیادی طور پر دار الحرب نہیں
بلکہ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے کفار (ہندو اور سکھ) اور انگریز عملاً
پر قابض ہو گئے ہیں پس جمہور اسلام پر عموماً اور معروف مسلم حکمرانوں پر خصوصاً
واجب ہے کہ ہندوستان کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے آزاد کر لیں یعنی
اس طرح سے یہ دار الحرب ٹھہرتا ہے یہ فقیر اپنی تہمت کے مطابق کوشش
کر رہا ہے۔ آنجناب پر بھی لازم ہے کہ اپنی تہمت کے مطابق کوشش فرمائیں
اس خط میں آپ نے صراحت سے انگریزوں کو غاصب قرار دیا ہے اور ان سے
ملک کو آزاد کرنا اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ ہندوستان کی کافر قومیں (سکھ وغیرہ) انگریزوں
کی حلیف بنیں اس لیے آپ نے انھیں ایک ہی صف میں شمار کیا ہے۔

مولانا سہیل شہید نے میر شاہ علی کے نام جو خط لکھا وہ بھی ان مکاتیب میں موجود ہے،
مولانا شہید بھی سکھوں اور انگریزوں کو ایک ہی صف قرار دیتے ہیں۔

کسے از کفار بیکہ و فرنگ ہم ادعای این قبیل در ذات آنجناب نے تو اند کرد

(ترجمہ) سکھوں اور انگریزوں میں سے کوئی بھی آنجناب کے بارے میں اس

قسم کی بُرائیوں کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مکاتیب صف ۱۷۱ جانب اول

ان تحریرات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر پورے
ہندوستان کی آزادی تھی۔ بیکہ اور انگریز ان کے مقابل کی صف تھے۔ سکھوں کے بعد ان کا عزم
ہندوستان کی طرف بڑھنے کا تھا پس جن لوگوں نے اس تحریک کو صرف سکھوں تک محدود سمجھا انھوں
نے حالات کا تجربہ کرنے میں بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ سب سے پہلے یہ خیال سر سید احمد خاں نے ظاہر کیا تھا مگر واقعتاً
اس تاویل کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس کا مقصد ٹھٹھہ یہ تھا کہ قوم کا ذہن انگریزی اقتدار کی طرف متوجہ نہ
ہو سکے اور شداد بالاکوٹ کو محدود اسلامی نظریہ کے الزام میں بدنام کیا جاسکے۔ حق یہ ہے کہ ان حضرات
کا رویہ پوری حکومتِ برطانیہ کے خلاف تھا اور وہ جن تدبیر سے پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے
چھڑانے کی اسلامی فکری میں تھے اور یہ تحریک صحیح معنوں میں ایک اسلامی جہاد تھا۔

شیخ الہند کی ریشمی رومال کی تحریک کا جو ریکارڈ لندن کے انڈیا آفس سے حال ہی میں عام
ہوا ہے۔ اس میں برطانوی حکومت کے پولیٹیکل نمائندے مسٹر وی دیان کا بیان بھی اس تحقیق کی
پوری تائید کرتا ہے۔

مجاہدین: یہ نام ہندوستان کے متعصب وہابیوں کی ایک لہری کے رہنے والوں

کو دیا گیا ہے جو آزاد علاقہ میں یوسف زئی قبائل کے درمیان ہے۔ یہ لہری ۱۸۴۳ء

میں وہابی لیڈر سید احمد شاہ بریلوی نے قائم کی تھی۔ اس وقت سے اس کے ایکٹ

کا رویہ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ خصومت اور جنگ کا ہے۔ ریشمی خطوط سازشیں ۱۶۵

انگریز بار بار انہیں دہائی کہہ کر عام مسلمانوں میں ان کے خلاف ایک خاص فضا پیدا کرنا چاہتے تھے انہیں عام مسلمانوں کو یہ باور کرانا تھا کہ یہ لوگ عام مسلمانوں سے الگ ہیں۔

اگر یہ مجاہدین انگریزوں کے خلاف نہ تھے صرف سکھوں کے خلاف تھے تو انگریز ان کے خلاف اس قدر متح پایکیوں تھے پھر سکھوں کی حکومت تو معرکہ بالاکوٹ کے ۱۸ سال بعد ختم ہو گئی تھی لیکن مجاہدین کا کیپ اس کے بعد تک کیوں قائم رہا اور انگریز آخر دم تک اسے اپنے خلاف ایک ناقابل تسخیر موڑ چکیوں سمجھتے رہے۔
ولیم ولسن ہنٹر لکھتا ہے:

یہ تحریک کسی رہنما کی موت و حیات سے بالکل مستغنی ہو گئی تھی لہ
قائد تحریک حضرت سید احمد شہید کے بارے میں ان کی زبان ملاحظہ ہو:

رائے برلی کافران اور ڈاکو سید احمد مراسم حج ادا کرنے کے بعد مکہ سے ۱۸۲۲ء
میں اس عزم کے ساتھ لوٹا کہ پورے شمالی ہندوستان کو پرچم اسلام کے زیریں
لے آئے گا لہ

حضرت سید احمد پہلے وسط ہند میں بھی انگریزوں کے خلاف صف آوار رہ چکے تھے آپ
پنڈاری سردار امیر خاں کے ساتھیوں میں سے تھے۔ سردار امیر خاں سلطان ٹلیپو کے لہذا انگریزوں
کا سب سے بڑا مخالف سمجھا جاتا تھا امیر خاں کی فوج منتشر ہوئی تو حضرت سید احمد نے اپنے
شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو صورت حال سے مطلع کر دیا اور واپس دہلی پہنچے،
مسٹر الف کیرو (OLAF CAROE) لکھتا ہے:

سید احمد بریلوی بدنام زمانہ امیر خاں کا پیرو تھا جس نے وسط ہند میں پنڈاروں کے
خلاف انگریز کی مہم کے زمانہ میں کرایہ کے سپاہیوں کا ایک جتہ جمع کر لیا تھا امیر خاں
کی فوج منتشر ہونے کے بعد سید احمد کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے لہ

اس عبارت کا ایک ایک لفظ حضرت سید احمد شہید کے خلاف نفرت میں ڈوبا ہوا ہے
تحتیہ کا کوئی انداز نہیں جو لکھنے والے نے پیچھے رہنے دیا ہو کیا اب بھی مجاہدین بالاکوٹ کی
انگریز دشمنی کسی پردے میں ہے وسط ہند کی یہ سلگتی چمکادی کیا اب بھی تحریک کو شمالی ہند
تک محدود رکھے گی؟ کیا اب بھی کوئی شبہ باقی ہے کہ سکھوں کی مخالفت انگریزوں سے توجہ
کو ہٹانے کے لئے تھی۔

اہل جنت پر مخفی نہیں کہ حضرت سید احمد ایک نہایت معزز اور معروف خاندان کے
ہو نہاد فرزند تھے ان کی خاندانی عظمت کو پا مال کرنا اور کرائے کا سپاہی کہہ کر ان کی عزت میں
پر حملہ کرنا مخالفین کی اندوئی گراوٹ کا پتہ دیتا ہے آپ ایک خط میں جو آپ نے
۱۲۴۵ء میں علامہ پشاور کے نام لکھا تھا اپنے خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایں فقیر و خاندان فقیر و بلاد ہندوستان گناہ نیست الوف الوف انام
از خواص و دام ایں فقیر و سلاط ایں فقیر راے دانستہ
(ترجمہ) یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں خالص و عام
گروڑوں لوگ اس فقیر اور اس کے خاندان کو جانتے ہیں۔

اس تحریر کا ایک ایک لفظ حضرت سید صاحب کی خاندانی عظمت کا پتہ دے رہا ہے
مگر پی ہارڈی P. HARDY کی قصب جبری تحریر بھی دیکھئے اور پھر اس قوم کی
تہذیبی حالت کا اندازہ کیجئے۔

سید احمد ایک غیر معروف خاندان میں پیدا ہوئے جو شاید معمولی درجہ کے
ملازمت پیشہ لوگ تھے ۱۸۰۹ء سے ۱۸۱۸ء تک وہ پٹناری سردار امیر خاں
کی فوج میں جو بعد میں ٹونک کے نواب ہوئے ایک سپاہی رہے اس عرصہ
میں شاید ہی کوئی ایسی بات تھی جو انہیں دوسرے پٹناری قزاقوں سے ممتاز کرتی

اس تمام بغض و نفرت کے باوجود مشرقي ہارڈی نے اعتراف کیا ہے کہ اس تحریک کا مقصد صرف شمالی ہند پر اسلام کی پریم کثافت نہ تھی ان کے پیش نظر پورے ہندوستان کی فتح تھی وہ صرف کسی ایک گروہ کے اقتدار کے لیے جدوجہد نہ کر رہے تھے، بلکہ ان کے سامنے پورے اسلام کی سر بلندی تھی پی ہارڈی لکھتا ہے :

”سید احمد بریلوی کا مقصد مغلوں یا مغل اشرف کی بجالی نہیں بلکہ ہندوستان کی سرحد پر قرونِ اولیٰ کی اسلامی سوانحی کا ایک نمونہ پیش کرنا تھا انہیں یقین تھا کہ یہ نمونہ مسلمانوں کو ایسا فیضان بخش سکتا ہے کہ ایک دن وہ ہندوستان کو اللہ کے لیے فتح کر لیں گے ان کے پیغام نے اعلیٰ طبقوں کو نہیں بلکہ ہندوستان کی مسلم سوانحی کے نچلے طبقے کو متاثر کیا۔“ والفضل ماشہدت بہ الاعداء

مشائخ پنجاب کی شہادت ضلع جہلم پنجاب میں اللہ شریف ایک معروف خانقاہ ہے جس کے بانی اور سجادہ نشین خواجہ فیض بخش رحمتی

(۱۲۸۲ء) مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے نقشبندی سلسلہ میں آپ نے حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری (۱۲۷۰ء) سے اور سلسلہ چشتیہ نظام میں آپ نے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے فرقہ خلافت پایا حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگرد ہونے کے لحاظ سے آپ جتنے حضرت شاہ اسماعیل شہید کے قریب ہو سکتے تھے شاید ہی اہل پنجاب سے کسی نے آپ کو قریب سے دیکھا ہو آپ کے خاندان کے فروغ و فاضل جناب محمد حسین لکھنوی لکھتے ہیں :

احمد شاہ ابدالی کے پوتے زمان شاہ کے عہد حکومت میں سکھوں کی سرداری رنجیت سنگھ کو مائل ہوئی۔ رنجیت سنگھ نے اپنی تدبیر اور مار دھاڑ سے جنوب میں شلیج تک اور شمال

میں کشمیر اور پشاور تک اپنی حکومت کو وسعت دی ۱۸۱۸ء میں قتل پر قبضہ کیا اور افغانستان کی افراطفری سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۱۹ء میں کشمیر اور ۱۸۳۲ء میں پشاور فتح کر لیا۔

اسی زمانے میں رائے بریلی کے ایک دینی خاندان کے فرد سید محمد شہید اور دہلی کے مشہور بزرگ شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے شاہ اسماعیل شہید نے دہلی، دو آب اور بنگال کے مسلمان مجاہدین کا ایک لشکر جمع کیا اور اس سرزمین کو غیر مسلم طاقتوں رسکوں اور انگریزوں کے پنجے سے آزاد کرانے کی غرض سے سلسلہ جہاد شروع کر کے قرن اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی۔

بریکٹ کے اندر کے الفاظ سکھوں اور انگریزوں کے پنجے سے آزاد کرانے کی غرض سے سلسلہ جہاد صاف بتلا رہے ہیں کہ آپ حضرات کی غرض غیر مسلم طاقتوں کی پامالی تھی۔ انگریزوں کی حمایت میں سکھوں کے خلاف نہ لڑا رہے تھے، سکھ اور انگریز ان دونوں حلیف طاقتیں تھیں اور دونوں مسلمانوں کے حریف تھے شہدائے بالا کوٹ کا مقصد سکھوں کو شکست دے کر پورے ہندوستان سے انگریزی استعمار کو ختم کرنا تھا۔

خانقاہِ اللہ شریف کے یہ بزرگ ایک دوسری جگہ کہتے ہیں :

تیسرے صدی کی ابتداء میں ۱۲۰۱ء میں (۱۷۸۶ء) میں وسط ہند رائے بریلی (اوسم) میں سید محمد شہید پیدا ہوئے، خاندانِ ولی اللہی کے تربیت یافتہ تھے اور جنہوں نے مسلمانوں کی عنایت و رفتہ کو جہاد اور تیغ و سنان کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا اور لشکرِ مجاہدین کے ساتھ اس جہدِ شمال مغربی ہند میں ۱۸۳۱ء تک مصروف رہے شہادت کا درجہ پانچواں کیا اب بھی کسی تامل کی گنجائش ہے کہ ان حضرات کی سکھوں سے پنجہ آزمائی محض انگریزوں

کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اس نشہ میں انسان کہاں تک گر جاتا ہے۔
 حضرت خواجہ فیض بخش صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسماعیل شہیدؒ سے کیا
 اثرات لے کر پنجاب آئے؟ اس کا پتہ خانقاہ للہ شریف کے طرز عمل سے بہت واضح طور
 پر ملتا ہے حضرت خواجہ صاحبؒ کی وفات ۱۸۶۶ء میں ہوئی ان کے جانشین انکے صاحبزادے
 مولانا ناصر الدین ہوئے مولانا ناصر الدین کے دور میں للہ شریف میں مولانا محمد افضلؒ درسِ حدیث
 دیتے تھے یہ مولانا محمد افضلؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔
 مولانا ناصر الدین کے بعد ۱۹۱۵ء میں مولانا فضل حسین سجادہ نشین ہوئے، مولانا فضل حسین صاحبؒ
 نے معقولات کی کتابیں مولانا محمد رفیع صاحبؒ سے پڑھی تھیں یہ مولانا محمد رفیع صاحبؒ حضرت
 مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کے شاگرد تھے آپ کے صاحبزادے مولانا محمد اکرم
 حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ محدث دہلوی کے شاگرد تھے ان حالات سے پتہ چلتا
 ہے کہ حضرت خواجہ فیض بخش صاحبؒ محدثین دہلی اور انکے جانشین علماء دہلیوں کے ہمیشہ
 نیاز مند رہے تھے۔ اور ان حضرات کی ان اکابر کے بارے میں وہ رائے ہرگز نہ تھی جو
 مولانا احمد رضا خان کی تھی بلکہ حق یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد افضل صاحبؒ استاذ حدیث
 للہ شریف کے سامنے مولانا احمد رضا خان کی نہ کوئی حیثیت تھی اور نہ کسی حلقہٴ علم میں
 ان کی کوئی عظمت تھی۔

حضرت مولانا احمد الدین گویؒ ۱۲۸۶ھ بھی حضرت شاہ محمد اسلمی محدث دہلوی کے شاگرد
 تھے آپ کے رائے بھی یہی ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اللہ کی راہ میں جان قربان کی تھی یہ
 نہیں کہ انگریزوں سے توجہ ہٹانے کے لئے سکھوں سے لڑ رہے ہوں۔ پہلے حضرت مولانا احمد الدین
 کی رائے ہدیہ قارئین ہو چکی ہے اس میں شک ہے۔

حافظ، عالم اور حرمین شریفین کی زیارت کرنے والا اور اللہ کی راہ میں اپنے وطن کو

چھوڑنے والا اور غازی اور اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والا مولوی اسماعیل کہ

ظاہر حال میں دُنیا سے پاک و صاف ہو کے گیا بوجہ قول اللہ تعالیٰ وَلَا تَقْتُلُوا

لِمَنْ يَفْقَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

انگریزوں کی حمایت کا الزام تو پاؤر ہوا اب آئیے ذرا اس الزام کا بھی جائزہ لیں کہ آپ پر لفظ وہابی کا اطلاق تا کی نقطہ نظر

وہابیت کا الزام

سے کہاں تک درست ہو سکتا تھا :

حضرت سید احمد شہید ۱۸۲۲ء میں حج کے لیے مکہ گئے تھے اس زمانے میں وہاں آل سعود کی حکومت نہ تھی۔ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کا حلقہ عقیدت نجد تک تو پھیلا تھا لیکن حجاز میں وہ اپنی بات کھلے طور پر نہ کہہ سکتے تھے حکومت حجاز ان کے سخت خلاف تھی اور وہاں ان کے کسی قسم کے مذہبی پراپیگنڈے کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا، حضرت سید احمد شہید دہلی کے علمی خاندان سے وابستہ تھے اور حج کے عارضی قیام میں ان کے نجدیوں سے متاثر ہونے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ محدثین دہلی کے آل شیخ اور مشائخ نجد سے کوئی علمی رابطہ بھی نہ تھے نہ ان دنوں ذرائع آمد و رفت کچھ اتنے آسان تھے محدثین دہلی حنفی مسک بدکار بند تھے اور آل شیخ کا مسک حنبلی تھا۔ یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت سید احمد حج پر آتے ہی وہابی ہو گئے ہوں اور پھر پوری تحریک وہابیت کو ساتھ ہندوستان لے گئے ہوں انگریز جس طرح آپ کو ڈاکو قرار دینے میں سراسر زیادتی پر تھے اسی طرح وہ آپ کو وہابی قرار دینے میں بھی ایک محض سیاسی پال کھیل رہے تھے۔ ذرا مضر ہنر کی زبان ملاحظہ کیجئے اور ستم کشیوں کے ستم کی داد دیجئے۔

اس طرح اپنی گزشتہ سوانح حیات کو جو بحیثیت ایک قزاق کے گزری تھی حاجی کے لباس میں چھپا کر اگلے سال ماہ اکتوبر میں بمبئی میں وارد ہوئے لے

(Hughes) ہیوکس لکھتا ہے :

اپنے پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے مکہ حج کرنے گیا وہاں ان
وہابی مبلغین کے زیر اثر آ گیا جو حاجیوں میں خفیہ طور پر وہابیت کی اشاعت
کر رہے تھے۔

وہابیت کی تحریک کتنی اصلاحی کیوں نہ ہو یہ حقیقت ہے کہ اس کی کوئی کڑی
علمی یا تاریخی طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان سے ملتی تھی، تاریخی طور پر
کوئی ایسا مولو نہیں ملتا جو ان دو اصلاحی دعوتوں میں کوئی تاریخی رشتہ بتلائے ہاں شرک اور
بدعت سے بیزاری اور سیاسی بیزاری ان دونوں میں نمایاں تھی۔ اور اسی وجہ سے انگریز ان
دونوں کے خلاف تھے۔ ہندوستان براہ راست ان کے زیر نگین تھا وہ یہاں حضرت شاہ
ولی اللہ محدث دہلوی کے پورے سلسلہ کے خلاف وہ نفرت پھیلانا چاہتے تھے جو حجاز
میں مجددیوں کے خلاف پائی باقی تھی انگریزوں نے اپنا محاذ ایک کرنے کے لیے وہابی کا
لفظ ہندوستان میں امپورٹ کیا ورنہ اس خاندان کا آل شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کوئی تاریخی
رشتہ نہ تھا جن عرب علمائے حضرت سید احمد شہید کی نظر و فکر کو آل شیخ کی تحریک سے
ماخوذ بتلایا ہے وہ یورپین مورخین کی غلط بیانی کا شکار ہوئے ہیں۔

حضرت سید احمد شہید؟ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتوے
کے مطابق غلام ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے ان خیالات کے ہوتے ہوئے انہیں
ہندوستان میں کبھی استحکام نصیب نہ ہو سکتا تھا وہ حضرت سید احمد شہید کی تحریک سے سخت
خائف تھے۔ کبھی انہیں ڈاکو کہتے اور کبھی مرکز مکہ میں ان کے خلاف پراپیگنڈے کرنے کے
لیے انہیں وہابی بتلایا جاتا۔ حضرت سید احمد شہید کی جنگ گو براہ راست سکھوں کی خلاف
تھی لیکن ان کی ناکامی میں پس پردہ انگریزوں کی اپنی چالوں کا دخل تھا۔

لے ڈکٹری آف اسلام زیر عنوان ”وہابی“

کے اصلاحی قائدین میں حضرت سید احمد شہید کے بارے میں لکھتے ہیں :
 اس نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا انگریزی حکومت کو اسکی اور اس کے پیروکاروں
 کی وجہ سے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا بالآخر وہ ان کے دبانے میں کامیاب ہوئی نہ
 اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت سید احمد شہید کی بالاکوٹ میں شہادت انگریزی سیاست
 کی ہی کامیابی تھی۔

مولانا سہیل شہید کی شہادت

حضرت مولانا شہ سہیل شہید محدث دہلوی اپنے شیخ طریقت حضرت سید احمد کی قیادت
 میں سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے بالاکوٹ مقام پر ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ جمعہ کے دن شہید ہوئے
 بالاکوٹ پاکستان کے ضلع ہزارہ میں تحصیل مانسہرہ میں واقع ہے۔ رنجیت سنگھ کی طرف سے شیگرہ گرجی
 حبیب اللہ کے قریب متعین تھا۔ جب سید صاحب بالاکوٹ پہنچے تو سکھوں کا لشکر دریا کھنار
 کے مشرقی کنارے پر ڈیرہ ڈالے تھا مکرم ٹی کوٹ کے ٹیلے سے اوپر پہاڑی راہوں میں جمع ہوتے
 گئے اور شکر اسلام نشیب میں تھا۔ یہ صورت حال تباہی تھی کہ لڑائی پہاڑی علاقے اور قصبہ
 بالاکوٹ کے درمیانی میدان میں ہوگی۔

مسلمان چاہتے تھے کہ سکھ ٹیلوں سے نیچے اتریں تو ایک ہی دفعہ ان پر حملہ ہو، سکھ چاہتے
 تھے کہ مسلمان میدان میں نکلتے رہیں اور گروہ گروہ ہو کر کٹتے رہیں، ایک ہی دفعہ مہمان کی جنگ ہو اور
 ضرورت پڑے تو وہ واپس لوٹ کر ٹیلوں میں پناہ لے سکیں سکھوں کی گولیاں ٹیلوں سے قصبے پر آ رہی
 تھیں۔ حضرت سید صاحب پہلے بالاکوٹ کی مسجد میں ٹھہرے تھے۔ مولانا سہیل اس مسجد کے شمالی
 والے میں تھے۔ حضرت سید صاحب پھر مسجد زیریں چلے گئے تو حضرت شاہ صاحب بھی ساتھ ہو
 گئے۔ حضرت سید صاحب نے مسجد زیریں سے نکل کر جنگ کا آغاز کر دیا اور ٹی کوٹ کے ٹیلے کی

طرف چل دیے۔ سکھ فوج مسلمان مجاہدین کے مقابلے میں بارہ گنا تھی۔ پھر شیر سنگھ کے پیچھے رنجیت سنگھ کی پوری قوت تھی اور ان مجاہدین کے پیچھے کوئی مرکزی طاقت نہ تھی۔ مسلمان اب مقام تدبیر سے نکل کر مقام شجاعت میں داخل ہو چکے تھے۔

چوں شہید عشق در دُنب و عقبی سرفرو است

اے خوش آں ساعت کہ مارا کشتہ زین میدانِ بزد

مولانا سہیل شہید کا مورچہ اور ملاعل محمد قندھاری کا مورچہ ساتھ ساتھ تھے۔ لعل محمد

جگہ ٹیپوری نے مٹی کوٹ کے داسن کے حالات میں ذکر کیا ہے :

”مولانا سہیلؒ بندوق کندھے پر رکھے اور سنگی تلوار ہاتھ میں لیے میرے پاس

آئے۔ پیشانی سے خون بہہ رہا تھا، پوچھا۔ امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں نے اپنے

دائیں طرف اشارہ کیا کہ اس جھوم میں میں مولانا پھر اس طرف تیزی سے بڑھے۔“

آپ میدانِ کارزار میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت شاہ سہیل شہیدؒ اور ارباب

بہرام خاں جو آپ کے آگے آگے چلتے تھے۔ نالائست بننے کے پار بالا کوٹ کے شمال مشرق میں دفن

ہوئے۔ شیر سنگھ نے مسلمان قیدیوں سے کہا کہ اگر وہ سید صاحبؒ کی لاش کی صحیح نشاندہی کریں

تو انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ انہوں نے پہچان کر دی اور اس نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حضرت سید صاحبؒ کو اسلامی طریقہ پر دفن کر لیں۔

ہندوستان کے غیر مسلم اہل حق میں جانے کے بعد یہ پہلی جنگ آزادی تھی جو اسلام کے

معاذ پر لڑی گئی، گو اس تحریک کو کچل دیا گیا لیکن بالا کوٹ کے یہ شہید غیرت و حمیت کے وہ چراغ

۱۔ مولانا شاہ سہیل شہیدؒ نے امام خاں خیر آبادی کی شہادت کے موقع پر فرمایا تھا کہ میدانِ

جنگ میں انسانوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض ارباب تدبیر ہوتے ہیں بعض ارباب شجاعت اور بعض جامع ہر دو

زرے ارباب تدبیر ہمارے کلام کے نہیں اس لیے کہ یہ مقام تدبیر کا نہیں شجاعت کا ہے۔ تیسرا شہیدؒ

منظورہ اسعد احمد صدیقیؒ ۱۹۲۲ء سید احمد صدیقیؒ ۱۹۱۱ء و قاتل احمدی جلد ۳ ص ۲۲۵

روشن کر گئے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور پھر تحریک خلافت کے تاریک خاکوں میں رنگ بھر رہے۔ یہاں تک کہ آزادی کا سورج چمکا اور بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکا۔ انگریزوں کو بڑے مضمر سے نکلنا پڑا اور سکھوں کو خود ہندوؤں کے آگے مغلوب ہونا پڑا۔

شہدائے بالا کوٹ کی شہادت کے بعد بھی بھادین کی یستی قائم رہی ان کا جذبہ جہاد بھی نہ رہا اور ۱۹۴۷ء کی آزادی ہند تک شہد کا خون مستقبل کے خاکوں میں رنگ بھرتا رہا۔ اس تحریک کے لازوال دوسرے کے بارے میں ولیم ولسن ہنٹر لکھتا ہے :

”یہ تحریک کسی رہنما کی موت و حیات سے بالکل مستغنی ہو گئی تھی“ لے
اس محرکہ بالا کوٹ پر اٹھارہ سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ پنجاب پر سکھوں کی حکومت ختم ہو گئی اور جو خواب حضرت سید صاحب نے دیکھا تھا وہ اٹھارہ سال بعد جا بوجھ ہو

اعترافِ حقیقت

ایک یورپین مصنف ولفورڈ کینٹ ولٹ ہنٹر WILFORD CANTVENT SMITH لکھتا ہے :

تحریک کا نصب العین اور اس کی قوت محرکہ زیادہ دیر پا اور زیادہ ہمہ گیر طریقہ
ہدایتی رہی کافر کو نکال باہر کرنے کی سعی دیانی جاسکتی تھی اور دہادی گئی
مگر مسلم سوسائٹی کے اقبال کو بجال کرنے کے لیے اس کے احیاء اور تجدید کی
کوششیں باقی رہتی تھیں جس سے ضمنی طور پر دونوں مقاصد کی نشاندہی ہوتی
ہے ہندوستان میں اس کے ذریعہ اسلامی طاقت کا تصور بیسویں صدی میں
باقی رہا اور معاشرہ پر مٹلاتا رہا بلکہ اسے محرک کرتا رہا لے

حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کو جام شہادت نوش کر گئے لیکن ان کا خون
انگریزوں کے خلاف ہر اٹھنے والی تحریک کے خاکوں میں رنگ بھرتا رہا ۱۸۵۷ء کی جنگ
آزادی سے کچھ پہلے جب عیسائی مشنری ہندوستان میں اسلام پر تابلو توڑ چلے کر رہے تھے

تو یہ حضرت مولانا اسماعیل شہید کے فدائی مسلمان ہی تھے جو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خاں کی قیادت میں اس تحریک ارتداد سے ٹکڑے رہے تھے مولانا عالی مرحوم اس وقت کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دُہلا پتلا شکار پیٹ بھراؤ مل جاتا تھا مگر وہ اس پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ صید فریب کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ تیز دانت اُن کا مسلمانوں پر تھا اس لیے ان کی منادیوں میں ان کے اخباردوں میں ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوجھاڑ اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح سے بُرائیاں ظاہر کرتے تھے۔ بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیوں کرتے تھے۔ بہت سے مسلمان کچھ نادانیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آ گئے۔ اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام جیسے مولانا آل حسن۔ مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے۔ انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلے میں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظر کئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ روٹناری میں تالیف و تصنیف اور پادریوں سے مقابلہ و مناظرہ کا سلسلہ ایکجا جی نہ ہی لیکن انتظامی شکل میں شروع ہو گیا تھا۔ قدرتی طور پر ہر جگہ مسجدیں تھیں۔ علمائے کرام کے وہ گڑھ تھے۔ اس انقلابی تحریک کے چلنے میں کوئی دُشواری پیدا نہیں ہوئی۔ رہنما کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے بہتر کون ثابت ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کام کے لیے دہلی، آگرہ کو مرکز قرار دیا۔ یہاں بھی مولانا نے تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ ان کی جماعت میں ہندوستان کے انتہا پسند اور حضرت اسماعیل شہید کے فدائی مسلمان تھے جن کی تعداد کافی تھی۔“

اس میں مولانا اسماعیل شہید کی صحیح فکر اور ان کی تحریک سے دیر پا اثرات کی کھلی شہادت موجود

اس تحریک کا ذکر پادری فنڈران الفاظ میں کرتا ہے۔

”یہاں (آگرہ) کے علمائے اسلام دہلی کے علماء کے ساتھ مل کر گذشتہ دو تین سال سے کتاب مقدس کا اور ہماری کتابیں اور مغربی علماء کی تنقیدی کتب اور تفاسیر کا مطالعہ کر رہے تھے تاکہ وہ کتاب مقدس کو غلط اور باطل کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کے عالم مولوی رحمت اللہ (کیرنولی) نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ جنوری ۱۸۵۴ء میں جب میں یہاں نہیں تھا وہ اگرہ آیا تھا کہ اپنے احباب کے ساتھ ان کتب کو چھپوانے کا انتظام کرے۔ مباحثہ ہوا تقریباً ایک سو مسلمان علماء مولوی رحمت اللہ کی مدد کیلئے جمع تھے اور دوسرے روز اسکی دو گنی تعداد تھی۔“

یہ علماء حتیٰ بلا کسی معاوضہ کے رد نصاریٰ میں اپنا وقت صرف کرتے رہے اور ہر مضمون اور ہر ضلع میں ان کے شاگرد احقاق حق کا فرض ادا کرتے تھے۔ علمائے کوام ہر ضلع میں عیسائیوں کے ہم مقابل تھے اور ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ چنانچہ ”پادری فریج“، انچارج ضلع ملتان کی رپورٹ میں ہے۔

”ملتان کے ملائید اور مخدوم سب اس بات کے لیے کوشش کر رہے تھے کہ خدا کو روشنی کو داخل نہ ہونے دیں۔ یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں کے جنہوں نے اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فنڈر سے مباحثہ کیا دوست تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان کے علماء اور مشائخ اس وقت سب اہل حق سے وابستہ تھے اور اس وقت مولانا امین اللہ شہیدؒ کے فدائی خاصی تعداد میں ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ حیات شبلی کے ویجاچہ میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں :-

انگریزوں کے برسر عروج آتے ہی تین طرف سے محلوں کا آغاز ہوا۔ عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ روئین پر حملے شروع کر دیے دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان عسکرانوں سے نجات پا کر ان پر حملہ کی جرات پائی اور سب سے آخر میں یورپین علوم و فنون اور تمدن کی ظاہری

چک دس مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔ خدا نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لیے مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی۔ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ مولانا رحم علی صاحب منگھوری۔ مولانا عنایت رسول صاحب پڑیا کوٹی۔ مولانا سید محمد علی صاحب منگھیری وغیرہ اشخاص پیدا کئے جنہوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پُرزے اُڑا دیے اور خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کا وجود تورہ عیسائیت کے باب میں تائید غیبی سے کم نہیں اور کون باور کر سکتا تھا کہ اس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لیے ڈاکٹر وزیر خاں صاحب جیسا آدمی پیدا ہوگا جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کائل اور عبرانی دیونانی کا ایسا واقف ہوگا جو عیسائیوں کو خود انہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا اور مولانا رحمت اللہ کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابل شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کر دے گا۔

آریوں کے دیانند سرسوتی کے مقابلہ کے لیے خاص طور پر مولانا محمد قاسم صاحب کا ظہور بھی تائید غیبی ہی کا نشان ہے اور پھر جس طرح حقائق حقہ کی اشاعت اور رد بدعت کا اہم کام مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس جماعت کے دیگر مقدس افراد کے ذریعہ انجام پایا۔ اسکے آثار باقی اب بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ یہ سب حضرات حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے فدائی تھے۔ تاریخ کا یہ رُخ ثابت کرتا ہے کہ بالاکوٹ کے معرکہ نے آئندہ اُنھنے والی ہر تحریک کے کیلئے رجال کار پیدا کئے مگر ان سوس کہ علماء حق کے متوازی وہ علماء بھی اُٹھے جو ان کے قاتلوں کو اہل خیر قرار دینے میں اسلام کی مجددانہ خدمت سمجھتے تھے۔ کیا یہ اس بات کا کھلا ثبوت نہیں کہ حضرت شہیدؒ کے خلاف اس قسم کا کھلا تبرا کرنے والے علماء درہل انگریز کی پیداوار تھے۔

تاریخ اسلام کا المیہ — سکھوں کو اہل خیر کہنے والے مسلمان

حضرت مولانا سہیل سکھوں سے ڈرتے ہوئے میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ جنگ آزادی کے اس انجام پر سکھ اور انگریز تو خوش تھے ہی، مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اپنے وقت میں ان سکھوں کی پوری تائید کی اور وحدت اسلامی اور مسلمانوں کی غیرت ملی کا مذاق اڑایا۔ آپ نے ان سکھوں کو اہل خیر کہا جنہوں نے حضرت شاہ سہیل محدث دہلوی کو قتل کیا تھا خان صاحب لکھتے ہیں:

وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید و ذریعہ کا

وہ شہید لیلائی سجدہ تھا وہ ذریعہ تیغ خیار ہے

(سلیس) جسے وہابیہ سہیل شہید کہتے ہیں وہ تو نجد کی کسی محبوبہ کے عشق میں مارا ہوا

تھا، اسے اچھے لوگوں کی تلوار نے ذبح کیا ہے (معاذ اللہ)

مقامِ عبرت — مولوی احمد رضا خاں بریلوی کہتے ہیں کہ مولانا سہیل محدث دہلوی کو اچھے لوگوں نے

قتل کیا تھا۔ ذریعہ تیغ خیار میں سکھوں کو اچھے لوگ (خیار) کہا گیا ہے، جو لوگ آزادی کے اس ٹھن حملہ پر بھی مسلمانوں

کے مقابلے میں سکھوں کو اہل خیر سمجھیں ان کے دینِ آخرت پر فوس کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے

سکھوں کو اہل خیر کہنے پر ہی اکتفا نہیں کی، ان کی حکومت کو حکومتِ الہیہ کہا اور حضرت مولانا

سہیل شہید کو حکومتِ الہیہ کا بھی — فی الحال — شیخ حسن مراد آبادی مولانا احمد رضا خاں سے نقل کرتے ہیں۔

سید احمد قلیل اور سہیل قلیل کو حکومتِ الہیہ کی مخالفت جیسے عظیم جرم کی ہاداش میں کتوں بلکہ

خنزیروں کی موت نصیب ہوئی۔

استغفر اللہ العظیم

مولانا شہید کی تصنیفات

حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کتابوں میں تقویۃ الایمان، تذکیر الاخوان، منصب امامت اور ایضاً الحق الصریح فی احکام المیت والضررک اور عبقات معروف ہیں، آپ کی شہنوی سلک فہم آپ کے ذوق شعری کی بابت ہے۔ فنون کی کتابوں پر آپ نے علمی حاشیے بھی تحریر فرمائے۔ مگر افسوس کہ وہ ۱۸۵۶ء میں ضائع ہو گئے۔ لہ

مرابطہ مستقیم آپ کے شیخ طریقت حضرت سید احمد خلیفہ حضرت شاہ عبدالعزیز کے ارشادات کا مجموعہ ہے جس کے مقدمہ باب اول اور باب چارم کو مولانا اسماعیل شہید نے اور باب دوم اور باب سوم کو حضرت مولانا عبدالحی نے قلمبند فرمایا تھا۔ مرابطہ مستقیم حضرت سید صاحب کے ارشادات اور ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اسے مولانا شہید نے مرتب کیا تھا۔ تقویۃ الایمان میں زیادہ تر توحید ربانی کا بیان ہے۔ منصب امامت میں انبیاء کرام اور اولیاء کی رفعت و عظمت اور امامت و خلافت پر نہایت بلند پایہ تبصرے ہیں۔ ایضاً الحق الصریح نہایت بلند پایہ علمی کتاب ہے۔ عبقات بھی ایک علمی شاہکار ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید کے عقائد و نظریات معلوم کرنے کے لیے ان تمام کتابوں کو دیکھنا چاہیے۔ صرف تقویۃ الایمان دیکھ کر اور اسے بھی بالاستیعاب نہیں چند جہتہ جہتہ کئی عبارات سے دیکھ کر اتنے بڑے عالم اور ولی کامل کے عقائد کا تجزیہ کرنے بیٹھ جانا عمل والضاف سے دور ہے اور نہ یہ اہل علم کا دستور ہے، ان کتابوں کو عجز سے دیکھیں یا استیسا دیکھیں اور بار بار دیکھیں اور پھر دیکھیں کہ حضرت شاہ صاحب کا دل انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی عظمت و محبت سے کس قدر معمور تھا۔ توحید خالص کے بیان اور شرک کی مذمت کو انبیاء و اولیاء کی توہین سمجھنے لگ جانا ایک بڑی غلطی اور حماقت ہے۔ مسلمان جب یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے اور شریک نہیں تو نادان عیسائی اسے حضرت عیسیٰ کی توہین سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

ملفوظ رہے کہ یہ کتابیں حضرت مولانا اسحاق شہید کی ہی ہیں، البتہ تقویۃ الایمان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آپ کی کتاب ہے یا اُسے محض آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اعتراض کرنے والوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کا پیرایہ بیان مولانا شہید کی دوسری کتابوں کا سا نہیں۔ مولانا کی دوسری کتابیں حکیمانہ انداز کی ہیں اور ان میں خاندانِ ولی اللہ کی پوری جھلک ملتی ہے۔ مگر اس کا انداز محدثانہ ہے اور عقائد فاسدہ کے پریشیں میں نشتر تیز رکھا گیا ہے پھر اس کے نسخے بھی کئی ہیں، نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی نسخہ ان کی تالیف ہے۔ ہم نے عام شہرت کی بنا پر اسے مولانا شہید کی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

مولانا شہید کی کتابوں میں منصب امامت اس درجے کی کتاب ہے کہ متقی نے اسے افلاطون کی کتاب جمہوریہ سے بہتر قرار دیا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں۔ ان کتاب منصب امامت لمولانا اسماعیل الشہید احسن من جمہوریۃ افلاطون

اس میں انبیاء و صدیقین، شہداء و صالحین اور دیگر برگزیدگانِ ذاتِ الہی کا اس انداز میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک ایک سطر سے مقام ولایت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ حضرت مولانا اسحاق شہید کے عقائد کو تفصیلاً معلوم کرنے کے لیے ان کی کتابوں کی بہت سی جزیاتِ علیم رہنمائی بخشتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک اسخ العقیدہ سنی عالمِ دین تھے اور آپ کا توحیدِ خالص اور علمتِ رسالت پر پورا پورا ایمان تھا اگر کوئی عبارت پیچیدہ دکھائی دے تو اسے ان دوسری صریح عبارات کی روشنی میں بہت آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ رسالہ فی مصطلح الحدیث ص ۲۴ من افادات الامام عبید اللہ سندھی علیہ السلام علی الاعلام
 ۲۔ شیخ عبداللہ انکلیتی الشافعی۔

الحکام الفرید فی عقائد الشہید

مولانا شہید کے اعتقادی نظریات

الحمد لله الذی فتح قلوب خلص عبادہ المؤمنین
 وازال عنهم غیم الرب والشک بالحق المبین لا یعتزمہ
 نقص فی الکلام ولا نقص فی الاحکام والصلوة والسلام
 علی سید الرسل وخیر الانام وعلی آلہ واصحابہ الذین
 هم الخاصۃ للعوام والنجوم فی الظلام فالله یعید الامم
 یوم معادهم فیاخذ للمظلوم عن ظلمه یتدارک بعفوہ
 من شاء ومن شاء منهم انتقم ونعوذ بالله من شرور
 انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یمده الله فلا مضل له
 ومن یضللہ فلا هادی له اما بعد۔

توحید باری تعالیٰ کے بیان میں

دینِ فطرت کا اہم بیانی نشان پروردگار کو ایک جاننا اور اسے اس کی ذات میں منہلت
 میں اور اس کے کاموں میں وحدۃ لا شریک انسا ہے۔ تمام پیغمبر اپنی تمام نعمتوں اور قربانیوں سے
 اسی عقیدہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور سب کی اجتماعی پکار قوموں اور قتلوں کو اس ایک خلق و
 مالک اور باری و رازق پر ایمان لانے اور ان تک اس کے احکام پہنچانے کے لیے تھی۔ پیغمبرانہ تاریخ کا اجتماعی
 فقط توحید باری کا بیان اور پیغمبرانہ اطاعت میں اعمالِ صالحہ کا عنوان یہاں ہے اور سیدنا حضرت ابراہیم

علیہ السلام اس توحیدِ خالص کے بیان میں نہایت متاثر تھے۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اسی قلمتِ ابراہیمی کے داعی تھے اور آپ ہی حضرت ابراہیم کی ان دعاؤں کا مصداق تھے جو اپنے قیصرِ کعبہ کے وقت اللہ رب العزت کے حضور میں کی تھیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جہل کے بادل چھٹے اور شرک کے بت گرے۔ آپ کے آل و اصحاب آپ کی اسی دعوت کو لے کر دنیائے انارون تک پہنچے اور بنی نوع انسان کو اس دینِ کامل کو ماننے کی دعوت دی جس پر عمل کر کے تو میں اس دنیا میں بھی نرغہ دہو سکتی ہیں۔

بزرگِ صغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو جہنم سے آزادی کی بشارت دی تھی، جو غزوہ ہند میں سب سے پہلے شامل ہوگی خلیفہ راشد ستینا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے حالات معلوم کرنے کے لیے کچھ لوگ بھیجے۔ پھر محمد بن قاسم کے ساتھ مسلمان اس ملک میں داخل ہوئے اور محمود غزنوی نے اس بزرگِ صغیر پاک و ہند میں توحید کا پرچم بلند کیا لیکن اسلام کے لیے پوری دینی حرارت اور عمل بہار اسی وقت اس سرزمین پر آئی۔ جب صوفیہ کولم نے اس سرزمین میں قدم رکھا، رہبر و قافلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری تھے جن کے نقش قدم سے ظلمتِ کدہ ہند میں اسلام کا فدا اپنی پوری بہاروں سے جلوہ لگن پڑا۔ ۷

صبحِ چین کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا

وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

اسلام کی اس دور کی نشر و اشاعت میں اہل اللہ کی باطنی توجہات اور عبادات و ریاضات کو زیادہ دخل تھا۔ اجمعی تعلیم و تعلم کی درس گاہیں پوری شریعتِ علمی سے قائم نہ ہوئی تھیں، محل و اخلاص کی یہ فضا اس وقت تک پر بہار رہی جب تک یہ اہل اللہ سوجھ رہے یا ان کے

خلفاء و توسلین ان کے نقش قدم پر چلتے رہے لیکن جب دو کا مذاق سم کے جانشین پیدا ہوئے
 لگے اور ان کا کام بڑوں کے نام پر روزی جمع کرنا رہ گیا تو شرک و بدعت کے سیاہ بادل پھر
 اٹھنے شروع ہوئے اور دیکھتے دیکھتے ان مسلمانوں پر چھا گئے جن کے ماحول میں ابھی کتاب و
 سنت کی تعلیم پر کوئی باقاعدہ محنت نہ ہو سکی تھی اکبری عہد میں دین الہی کی ایجاد اور منہ و نظر بت
 کی مراعات سے ہندوؤں کے تمدنی اور معاشرتی اثرات نے پھر مسلمانوں کو گھیر لیا اور مسلمانوں
 میں ایسی ایسی بدعات رائج ہو گئیں جن کے پیچھے ہندوؤں کے مذہبی تصورات کا رد ملے تھے۔
 امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا حضرت شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۵ھ) ایک
 مکتوب میں اس زمانے کا اعتقادی نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں :

یہ وہ وقت ہے کہ خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو ہزار سال گزر چکا ہے
 قیامت کی علامات اور نشانیاں اپنا پر تو ڈال رہی ہیں سنت زمانہ نبوت کی دوری
 کی وجہ سے پردہ میں چھپ گئی ہے مجھٹ پھیلنے کی وجہ سے بدعت سلسلے آرہی ہے
 اب کوئی شہاز چاہیے جو سنت کی امداد کرے اور بدعت کو نکست دیکھت کہ اواج پانا دین
 کی برابری کا باعث ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کی عمارت کو گرانا ہے
 اس وقت کے علماء کو خداوند تعالیٰ توفیق دیں کہ کسی بدعت کی اچھائی میں زبان

نہ کھولیں اور کسی بدعت کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں پسیدہ صبح کی طرح
 روشن ہو کر بدعت کے علاوہ ہر چیز میں شیطان کی فریب کاریوں کا بہت غلبہ ہے پہلے زمانہ
 میں چونکہ اسلام مضبوط ادھارت و تمام سلسلے بدعت کے اندھیروں کو برداشت کر سکتا تھا اور
 یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدعت کے بعض اندھیروں نور اسلام کی سخت چمک و دمک میں نورانی نظر
 آتے ہوں۔ اسلئے ان کو بدعت نہ کہا گیا ہو اگرچہ درحقیقت بدعت میں کچھ نور نہیں تھا۔ لیکن
 اس وقت جہاں اسلام کے ضعف اور کمزوری کا وقت ہے بدعت کے اندھیروں کو برداشت کرنے

انکی کوئی ضرورت نہیں ہو سکتی۔ لے پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

گفتہ اند کہ بدعت بر دو قسم است حسنہ و سیدہ حسنہ ان اعمال نیک را گویند کہ بعد از زمان آن سرور و خلفائے راشین علیہم الصلوٰۃ والسلام پیدا شدہ باشد و رفع سنت نہ نماید و سیدہ ان کہ رافع سنت باشد این فقیر در بیچ بیعتے ازین بدعتها حسن و اورانیت مشاہدے کند و جز از ظلمت و کمدرت احساس نمے نماید اگر فرضا عمل مبتدع را کہ امروز بواسطہ ضعف بصارت لبطراوت و نصارت سیند

فردا کہ حدید البصر گردند و اند کہ جز خسارت و زیادت ثقیبہ نہ داشت“ لے

(ترجمہ) کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ۔ یہ لوگ بدعت حسنہ ان نیک کاموں کو کہتے ہیں جو حضور اکرمؐ اور خلفائے راشینؓ کے زمانے میں نہ تھے اور ان کے کرنے سے کوئی سخت ناخوشی ہو اور بدعت سیدہ وہ ہے جس کے کرنے سے کوئی سنت ترک ہوتی ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا (بدعت کوئی بھی ہواس میں) سوائے اندیڑے اور کہ دولت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ کسی بدعتی کے عمل میں (باطن کی) آنکھوں کی کمزوری کے باعث اگر کج کچھ رونق اور تازگی بغرض دکھائی بھی دے تو کل (آخرت میں) جب نگاہیں تیز ہوں گی پتہ چل جائے گا کہ ان کا بیخ و نقصان اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں.....

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

اس زمانہ کے اکثر خواص و عوام ادار و افاض میں بہت زیادہ استہام کرتے ہیں اور فرائض کی ادائیگی میں سست ہیں۔ فرائض سے متعلق سنن و مستحبات کا لحاظ نہیں رکھتے۔ نیز فرائض کو مستحب اوقات میں ادا کرتے ہیں نہ بحجیر اولیٰ کی فضیلت کا لحاظ رکھتے ہیں بلکہ خود جماعت کی پابندی برائے ہم

ہے۔ فرض نماز جس طرح ادا ہو جائے اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں البتہ روزِ عاشورہ، شبِ برات، ۲۷ ماہِ جب اور ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کا پورا پورا اتہام کرتے ہیں۔ بیتہ الغائب ان کا ہم رکھا ہوا ہے، ٹہری ٹکرا اور انتقام سے ان راتوں میں باجماعت نفل ادا کرتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ یہ شیطان کا فریب ہے کہ بڑائیوں کو نیکیوں کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ خوشی اور غمی کے طریقوں میں بھی ہندو میں راہ پا چکی تھیں اور بدعتی لوگ حضور

اور صحابہ کے طریقوں سے بہت بے پرواہ ہو چکے تھے۔ بدعات کے اس فروغ نے آئندہ شرک کی راہیں کھول دیں اور اسلام کے نام پر مسلمانوں کے اعمال میں شرک راہ پانے لگا۔ علما حق اٹھے اور انھوں نے ہندو راہ رسم اور عقائد کے خلاف پوری جرات سے آواز اٹھائی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیانات

”قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں پیر پرستوں کا اچھا خاصہ طبقہ موجود تھا اور وہ اسلام کے نام پر بہت سے ایسے کام کرتے تھے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں شرک تھے۔ اسی طرح کچھ ایسے افعال بھی مسلمانوں میں راہ پا چکے تھے جن میں شرک و بدعات کی آلائش تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بھتیجے شاہ اسماعیل شہیدؒ ہی نہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس بگڑتے اسلام کے خلاف آواز اٹھائی۔ خود حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ان پیر پرستوں کے خلاف آواز اٹھا چکے تھے جو اپنے پیروں کے عمل کے بدلے مسلمانوں کو کتاب و سنت کی روشنی سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اہل بدعت کا ذکر کرتے ہیں :

”چلدم پیر پرستان گوند..... وازاں جہ اندسا نیکہ در ذبح

ونذر و قربانی با خدا گیراں را ہمسرے کنند وازاں جہ اندسا نیکہ در نام نہاں

خود را بنہ فلاں و عبد فلاں سے گوند و ایں شرک در تسمیہ است“ ۴

(ترجمہ) چہارم پیر پرست کہتے ہیں... اور انہی میں سے وہ لوگ ہیں جو ذبح کرنے میں اور نذر اور قربانی دینے میں خدا کے ساتھ اوروں کو بھی ملاتے ہیں اور انہی میں سے وہ ہیں جو ہم کھنے میں اپنے کو فلاں کا بندہ اور عبد فلاں کہتے ہیں یہ نام رکھنے میں شرک کی راہ چلتا ہے۔

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

”و بعضے از ایشاں باصور و بہیکل و قبور و معابد و ساکن و مجالس آہنا

افعالے کہ در مسجد و کعبہ برائے خدا باید کہ بعزل سے آزد مانند سر بزینہ مندان

و گرد و گشتن و دست بستہ بصورت استقبال قبلہ و نماز ایستادن لہ

(ترجمہ) ان میں سے بعض تصویر فلں کعبوں قبروں، عبادت گاہوں، رہنے کی جگہوں اور ان کی مجلسوں میں

وہ کام کرتے ہیں جو مسجد و کعبہ میں صرف خدا کے لیے ہونے چاہئیں جیسے سرزمین پر دکھنا (سجدے

کی شکل بنانا) اور گرد و گھومنا (جیسے طواف ہونا ہے) اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا جس طرح نمازیں ہاتھ

باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہوتے ہیں (جیسے سلام پڑھتے وقت ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں)

حضرت شاہ صاحب کی اس قسم کی عبارتوں سے یہ چلتا ہے کہ مولانا اسماعیل شہید نے

اپنے وقت میں شرک و بدعت کے خلاف جو آواز اٹھائی خود حضرت شاہ صاحب کی رائے بھی یہی

تھی اور وہ اپنے وقت کے ان قبر پرست، بدعتیوں کے خلاف اس اصلاحی کوشش کا آغاز کر چکے تھے

جسے حضرت شاہ اسماعیل شہید نے اوج تکمیل سے ہمکنار کیا ۷

نہ من تنہا دریں سے غافل مستم

جنید و شبلی و عطار ہم مست

حضرت شاہ اسماعیل شہید کی محنت

حضرت مولانا اسماعیل شہید نے دیکھا کہ ہندو نظریات اسلام کے نام پر توحید و سنت کے چشمہ صافی کو گدلا کر رہے ہیں تو انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں عوامی اصلاح و ارشاد کی مہم چلائی۔ اس آوازِ حق کے جواب میں انھیں بہت کچھ سُننا پڑا لیکن مخالفت ان کے پاسے سے تھقل

میں لرزہ پیدا نہ کر سکی۔
ہر احمق گوشت و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیے تھے اندازِ حشرانہ

حضرت شاہ صاحب کو اس سلسلے میں کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہو گا، اس کا اندازہ آپ اس وقت کے حالات سے آسانی کر سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :

”بعض عوام الناس کہتے ہیں کہ اولیاءِ کو اللہ نے یہ طاقت بخشی ہے کہ تقدیر کو بدل ڈالیں جس کی تقدیر میں اولاد نہیں اس کو اولاد دے دیں جس کی عمر تمام ہو چکی اس کی عمر بڑھا دیں سو یہ بات کچھ صحیح نہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ اپنے ہر بندہ کی کبھی دعا قبول بھی کر لیتا ہے
پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

”اپنے بزرگوں کے حق میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ خدا تعالیٰ سے مل کر ایک ہو گئے تھے یا خدا ان میں سا گیا تھا، انصاری کے ہندوؤں کی طرح اور مُردوں سے حاجتیں مانگنا اور ان کی غفیس ماننا، کفار کی راہ اور اپنے باپ دادے کی راہ اور روئے کو خلافِ خدا اور رسول کے اختیار کرنا اور ان کے رسم و رسوم کو متعظم سمجھنا اگلے کافروں اور ہندوؤں کی راہ اور اپنے نسب پر فخر کرنا تاریخ اور دن اور ساعت وغیرہ کی نحوست و سعادت ماننا، بزرگوں کی تصویروں کی تعظیم کرنا

تیجہ، دسون، چالیسواں اور برسی مردوں کی کرنا اور چمپک کی بیماری میں مبتلا
بھوانی لاماٹا اور چھوٹ وغیرہ کا کاڈ کرنا ہے۔

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو رسم و رواج اور ہندو عقائد کس طرح دین اسلام
سے ناواقف مسلمانوں کو حضور اکرم اور صحابہ کے اسلام سے دور کر رہے تھے۔
مولانا امین شہید نے اصل اسلام کو ہندو ذہنیت کے اسلام سے نکالنے اور توحیدِ اسلام
کو شرک کی ہر آتش سے پاک رکھنے کے لیے کھر مہمت باندھی اور ہر طرح کی صعوبتوں کو برداشت کرتے
ہوئے قرآن و حدیث کی نصوص پر تقویۃ الایمان، تالیف ذمائی، اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بہت
مقبولیت بخشی۔ اب تک یہ کتاب تقریباً ۱۳۵ دفعہ چھپ چکی ہے۔ اس کے دوسری زبانوں میں ترجمے
بھی ہوئے اور لاکھوں انسان اس کے ذریعہ ہندوانہ اسلام سے بچ گئے جن لوگوں نے اس کے جواب
میں رسلے کھے۔ ان میں سے بیشتر طباعت کی منزل تک بھی نہ پہنچ سکے اور چند تحریریں شائع بھی
ہوئیں وہ بھی ایک کھواشاعت سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ تقویۃ الایمان اب بھی لاکھوں کی تعداد میں
پڑھی جا رہی ہے اور اس کی مخالفت سوائے ایک گیر بیٹھے کے اور کچھ درجہ نہیں رکھتی۔ کتاب کی
مقبولیت اس کے حامیوں سے نہیں اس کے مخالفین سے پرچھے۔

تقویۃ الایمان کی مقبولیت

تقویۃ الایمان کی مقبولیت اور اس کے اثرات کے بارے میں مولوی احمد رضا خاں صاحب
کے خلیفہ خاص مولوی نعیم الدین مراد آبادی (۱۹۲۸ھ) کی شہادت لیجئے :

”تقویۃ الایمان بہت زیادہ شہور ہے اور اس کی بکثرت اشاعت کی گئی

لے تذکرہ الاخوان مہ علامہ ابوریحان البیرونی (ہ ہندوستان)

کے حالات میں ہندوؤں کی رسوں میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے فوت شدگان کو ایصالِ ثواب کرنے میں خاص
خاص تدبیریں پر اعتقاد رکھتے تھے اور انہی تدبیروں پر ختم کرتے تھے۔

ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکی ہے

..... اس کے پرائیونڈ سے سے ہزار ہا بلکہ لاکھوں آدمی ہو گئے۔

اس کتاب سے گراہی پھیلی یا ہلاکت۔ یہ اس بحث کا موضوع نہیں لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرتا کہ اس کتاب نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو متاثر کیا۔ یہ کتاب بار بار چھپتی رہی اور کئی کئی زبانوں میں چھپی۔ انگلستان میں اس کا انگریزی ترجمہ تقریباً ہر پڑھے لکھے گھر میں موجود ہے۔ تقویمہ الامان ۱۸۳۹ء میں کئی کاتب لکھ چکے تھے۔ اس وقت سے اس کی اشاعت برابر ہو رہی ہے اور ہر سال بیعتی چلی جاتی ہے لیکن اس کے جواب میں جو کتابیں لکھی گئیں ان کا کیا حشر ہوا اس کی کمانی خود مولوی نعیم الدین صاحب سے ہی سنیے اور ان مخالفین کی بے جا لگی اور کسمپرسی کی داد دیجیے۔ مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں :

”علامہ اسلام نے اس کتاب کے متعدد رد لکھے، تحریر و تقریر سے اس کے

مفساد کا اظہار فرمایا لیکن نہ معلوم کس وجہ سے وہ رد چھپ نہ سکے اور فلمی کتاب

کی اشاعت ہی کیا ہو سکتی ہے“ لے مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

علما و حق کی کتابوں کی مقبولیت ہر اہل عبادت کا دواویلا | ماہنامہ المیزان بمبئی کے احمد رضا نمبر کے

ادارہ میں لکھا ہے :

علامہ سید مدنی میاں برطانیہ کے تبلیغی مدرسے پر تھے تو بمبئی بھی جانا ہوا۔ میزبان نے جواب کا نیا نمونہ تھا اپنے فرزند سے کہا کہ وہ کتاب حضرت کو دکھاؤ جو تمہارے مطالعہ میں ہے صاحبزادہ نے فرنگ زبان میں بہشتی زیور لاکر سامنے رکھ دی جس کے ٹائٹل پر نام نہاد حکیم کو امام اہل سنت لکھا تھا۔ تحیر و تاسف کے طے جل ہنات کے ساتھ

مدنی میاں دیر تک عالم خیال میں کھو گئے تھے

مولوی نعیم الدین تو حیران ہیں کہ تقویۃ الایمان کے رد کیوں نہ چھپ سکے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تقویۃ الایمان کی مقبولیت اور بڑھتی چلی جا رہی ہے اب تک نیکی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے اور اس کا انگریزی ترجمان انگلستان میں آج گھر گھر موجود ہے ہمیں اس پر کبھی حیرت نہیں ہوئی۔ قرآن کریم میں ہے :

كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝

(ترجمہ) بات ستمری ایک ستمرے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ قائم ہوتی ہے اور پھیلنا آسمان تک پہنچتی ہیں۔

اویہ بھی فرمایا :

ومثل كلمة خبيثة كشجرة خبيثة اجتثت من فوق الارض ما لها من قرار
(ترجمہ) اور گندی بات ایسی ہے جیسا گندا درخت اکھڑا سوا زمین کے اوپر اسکو قرار نہیں۔
مدنی میاں کا علاج کیا ہو؟ ان آیات کو تلاوت کر کے مدنی میاں کو دم کیا جائے تو ممکن ہے وہ عالم خیال سے بھر واپس آجائیں، کچھ عرصہ ہوا وہ بہشتی زیور کا فرانسسی ترجمہ دیکھ کر عالم خیال میں کھو گئے تھے۔

بعض حضرات تقویۃ الایمان کے طرز بیان میں شدت کی شکایت کرتے ہیں۔ حقیقت حال یہ نہیں، تقویۃ الایمان کو ذرا غور سے دیکھئے انشاء اللہ العزیز بہت سے شبہات اذخود دھلتے جائیں گے۔ نامناسب نہ ہو گا کہ ہم اس قسم کے چند سوالات ماننا ہمہ الجبیت برہنگم کے ۶، ۷ کے فائل سے لے کر انہیں ان کے جوابات کے ساتھ یہاں بھی یہی قارئین کریں۔ یہ پرچہ ان دنوں جمعیت علماء برطانیہ کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔

ماہنامہ جمعیت برہم کے باب الاستفسار کے چند نقوش

مکرمی بندہ جناب علامہ صاحب السلام علیکم مجھے آپ کے جواب سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ میں نے پہلے تقویۃ الایمان کو غور سے نہ پڑھا تھا۔ اب بہت سی باتوں میں سیری تسلی ہو گئی ہے لیکن ایک بات جو دل کو گنگستی بنے ہیں چاہتا ہوں کہ اس کے بارے میں بھی آپ سے سوال کروں۔ امید ہے آپ ناراض نہ ہوں گے، سیری یہ بھی عرض ہے کہ اس سوال کا جواب مجھے جلد ارسال فرمادیں اور اسے جمعیت کی آئندہ اشاعت تک ملتوی نہ رکھیں۔ جمعیت میں یہ مضمون دیر سے بھی آجائے تو کوئی حرج نہیں مگر مجھے ان جوابات کی جلد ضرورت ہے۔ والسلام

مولانا شہید کے طرز بیان پر ایک سوال

مولانا اسٹیل ویلبرنی کا طرز بیان کچھ سخت معلوم ہوتا ہے۔ وہ کئی جگہ انبیاء و اولیاء اور جن و شیطان اور بھوت پری سب کو ایک فرست میں ذکر کر جاتے ہیں حالانکہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کی طبری شان ہے پھر ان کے ساتھ بھوت پری کا ذکر میری سمجھ میں نہیں بیٹھتا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”شُرک اسی پر موقوف نہیں کہ کسی کو اللہ کے برابر سمجھے اور اس کے تعالٰیٰ جانے بلکہ شرک کے معنی یہ ہیں کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں اور اپنے بندوں کے ذمے نشان بندگی کے ٹھہرائے ہیں وہ چیزیں کسی اور کے واسطے کرنی جیسے سجدہ کرنا۔۔۔۔۔ اس بات میں اولیاء و انبیاء میں اور جن و شیطان میں اور بھوت پری میں کچھ فرق نہیں یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا۔ (تقویۃ الایمان ص ۷)

پھر اگے ایک دوسری بحث میں لکھتے ہیں :

”عالم (جہاں) میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے
مازنا اور جلانا (زندہ کرنا، روزی کی کٹناش اور تنگی کرنی اور مست اور بیمار کر
دینا، فتح و شکست دینی، اقبال و خوار و قیستی، وادار و قیستی) دینا۔ مرادیں
پوری کرنی، حاجتیں بر لانی، بلائیں مٹانی، مشکل میں دیکھری کرنی، بُرے وقت
میں (مصیبت کے وقت) پہنچنا، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیا
اور اولیاء کی پیروی و شہید کی، بھوت پری کی یرشان نہیں (کہ اپنے ارادہ سے
جہاں میں اس طرح تصرف کرے)“

مولانا سہیل نے شکستہ عقیدہ میں لکھا ہے : میں مگر میں نہیں سمجھ سکا کہ ہمارے اہل تہذیب و کمال (الاجتہاد)
کے عقیدہ بزرگوں نے بھی کبھی انبیا و اولیاء کو اس عام فہرست میں ذکر کیا ہے۔ - بیتنا وجودوا
..... نیازمند بحاجہ

الجواب ومنہ الصدق والحساب

اس زمانے میں ایسے سعادت مند بہت کم ہیں جو ان مسائل میں طلب حقیقت کے لیے
دخل دیں اور بات کو سمجھنے کی کوشش کریں، ان مسائل کو اچھا لے والے زیادہ تر وہ لوگ ہوتے ہیں
جو جبر اور جہالت پر اڑے ہوئے فرقہ بندی کی راہیں تراشتے رہتے ہیں نہ وہ ملاؤ تنگم بات کہنے
والے کی مراد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ وہ کبھی معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ
بات کیا اس سے پہلے کبھی کسی نے کہی ہے، آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
آپ کو حق بات معلوم کرنے کی سعادت بخش رکھی ہے۔

محرم : فرقہ بندی لمت کو ہلاک کرنے والی چیز ہے اس کے استرا کرنا چاہیے حتیٰ تعالیٰ
سب کو توفیق بخشیں حتیٰ بات کو قبول کرنے میں فرقہ بندی کو اڑے نہ آئے دیں۔

عبادت کے لائق نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہے

محترم! آپ جب تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے تو کیا اس سے یہ بات از خود لازم نہیں آجاتی کہ جس طرح مٹی اور پتھر کے بت خدا کے شریک نہیں ہو سکتے، اگلی لہ پانی خدا کے شریک نہیں ہو سکتے، سورج اور چاند عبادت کے لائق نہیں ہو سکتے، انبیاء اللہ اولیاء بھی اللہ تعالیٰ کے شریک نہیں ہو سکتے؟ اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے میں نفی عام ہے اور عام اپنے جمیع افراد کو شامل ہوتا ہے خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ خدا کا شریک ان میں سے کوئی نہیں۔ بیان توحید کے لیے خدا کے سوا ہر ایک کی خدائی کی نفی کرنی ہوگی اور اس میں شرعاً کوئی عیب نہیں، نہ کسی کی بے ادبی ہے، درجہ اور مقام ہر مخلوق کا اپنا اپنا ہے لیکن خدا نہ ہونے میں سب چھوٹے بڑے برابر ہیں اور خدا نہ ہونے میں انبیاء و اولیاء اور باقی مخلوقات میں کوئی فرق نہیں، ان میں کوئی نہیں جیسے خدا یا خدائی صفات کا مالک کہہ سکیں، نہ کوئی چھوٹا خدا کا شریک ہے نہ کوئی بڑا۔ اللہ تعالیٰ ہر شریک سے بالذات بے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہی لا الہ الا اللہ کی آواز ہے۔

اس ایک بات میں سب مخلوقات کے برابر ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ سب مخلوق درجے میں بھی ایک دوسرے کے برابر ہوں (معاذ اللہ) کجا ادنیٰ مخلوق کا درجہ اور کجا انبیا و اولیاء کی شان۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو وہ رفعت اور شان بخشی ہے جو کسی فرشتے کو بھی نہیں اور پھر امام الانبیا اور جمیع اولاد آدم کے سردار کی شان تو سب سے زیادہ ہے۔

۷ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن یہ حقیقت ہے کہ خدا نہ ہونے میں سب برابر ہیں۔

اس فہرست میں حضرت عیسیٰ بن مریم کا ذکر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ صاحب کتاب اور صاحب بعثت ہیں۔ کلمۃ اللہ ان کی شان اور مروجہ سنہ ان کی صفت ہے۔ بایں ہمد و درجہ اور مقام اللہ تعالیٰ نے انھیں اس فہرست میں ذکر فرمایا جو ان اہل کتاب نے اپنے معبودوں کی بنا رکھی تھی۔ قرآن حکیم نے یہود و نصاریٰ کے شرک کو بیان کرتے ہوئے جہاں یہ بات بیان کی ہے کہ انھوں نے اپنے مولیوں اور پیروں کو خدا کے ساتھ شریک کر رکھا تھا تو اس کے ساتھ ہی حضرت عیسیٰ بن مریم کا ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے انھیں بھی خدا کے ساتھ شریک کر رکھا ہے۔ یہودیوں کے مولیوں اور پیروں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کرنے سے یہ گمان پیدا نہیں ہوتا، کہ معاذ اللہ ان کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ ایک ہے تو انبیاء و اولیاء جن اور شیطان اور مجہوت پری سے خدائی کی نفی کرنے سے یہ گمان کیوں پیدا ہو کر معاذ اللہ ان کا درجہ ایک ہے حاشا و کلا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ بات حق اور درست ہے کہ خدا نہ ہونے اور خدائی صفات کا مالک نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہیں۔ یہود کے احبار نصاریٰ کے درویش اور حضرت عیسیٰ بن مریم سب ایک فہرست میں ہیں کہ ان میں سے خدا کوئی نہیں سب خدا کے عاجز بندے ہیں اور اس کی مخلوق باقی درجہ اور مقام ہر ایک کا اپنا ہے اور اس اعتبار سے وہ ایک فہرست کے رکن نہیں حضرت مولانا اسماعیل شہید نے ایک فہرست میں انھیں صرف اس بات میں ذکر کیا ہے کہ عبادت کے لائق نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہیں۔

محترم! آپ نے حضرت مولانا اسماعیل شہید کی جو عبارت تحریر فرمائی ہے اگر آپ اس سے ذرا آگے بھی مطالعہ فرمائیے تو آپ کو یہ آیت و میں مل جاتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس عام فہرست میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ذکر فرمایا ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس باقی مخلوق کے ساتھ مقام و مرتبہ میں برابر ہونے کا کوئی ایسا م پیدا نہیں ہوتا۔ اس اگلی عبادت کو دیکھ لینے سے حضرت شاہ صاحبؒ کی مراد بھی آپ کے سامنے کھل جاتی اور پھر سوال کی ضرورت بھی باقی نہ رہتی۔ آپ کی پہلی پیش کردہ عبارت کے آگے حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں :

”جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہو جائے گا خواہ انبیاء و اولیاء سے خواہ پیروں اور شہیدوں سے خواہ بھوت اور پری سے۔ چنانچہ اللہ صاحب نے جیسا ثبت پڑجنے والوں پر غصہ کیا ہے ویسا ہی یہود و نصاریٰ پر حالانکہ وہ یہ معاملہ (شریک ٹھہرانے کا) انبیاء و اولیاء سے کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ برأت (توبہ) میں فرمایا :

اتَّخَذُوا اَاجَارَهُمْ وَوَدَّعَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ

دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحِ بْنِ مَرْيَمَ (پہ توبہ ۵)

(ترجمہ) ٹھہرایا انھوں نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو مالک (رب) اپنا

اور سے اللہ سے اور مسیح بیٹے مریم کو۔ تقویۃ الایمان ص ۵

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن کریم کے اس ایک فقرست میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کو ذکر کر کے انھیں یہود و نصاریٰ کے مولویوں اور پیروں کے برابر کر دیا؟ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کر دی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ صرف خدا نہ ہونے میں باقی مخلوق کے ساتھ شریک ہیں اپنے درجے اور کمالات میں نہیں شاہ سمیع اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ خدائی صفات کا مالک نہ ہونے میں ہر مخلوق خواہ انبیاء و اولیاء ہوں یا بھوت اور جن۔ سب عاجز اور محتاج ہیں کوئی خدائی قدرت یا مالک نہیں۔ سمجھنے کے لیے فہم اور سلیقہ ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ نیت بھی بات سمجھنے کی ہر فرقہ بندی کرنے کی نہ ہونی چاہیے۔

توحید کے ذکر میں یہ پیرایہ بیان

توحید کے ذکر میں یہ پیرایہ بیان میں سلف سے بھی ملتا ہے۔ امام مسلم (۲۶۱ ھ) نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۶۷ ھ) سے روایت کی کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ سب اولاد آدم کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور تصرف سے کوئی مخلوق باہر نہیں۔ ہر مخلوق بڑی بڑی یا چھوٹی اس کے آگے عاجز اور اس کے تحت ہے۔ اس حدیث میں ان قلوب بنی آدم کھلے کے لفظ کل کے تحت اہل آیت و بحاقہ کے سلم بزرگ ملاحی قاری (۱۰۱۴ ھ) لکھتے ہیں :

يشمل الانبياء والاولياء والمفجدة والكفدة من الاشقياء

(ترجمہ) یہ لفظ شامل ہے تمام انبیاء و اولیاء کو اور سب گناہگاروں کو اور بد بخت کافروں کو سب خدا کی قدرت اور تصرف کے تحت ہیں۔ لے مرقات جلد ۱ ص ۱۹

کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ملاحی قاری نے یہاں گناہگاروں اور بد بخت کافروں کے ساتھ انبیاء و اولیاء کا کیوں ذکر کیا؟ کیا انبیاء و اولیاء بھی باقی سب مخلوق کی طرح خدا تعالیٰ کے دست قدرت کے ماتحت نہیں؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ ہر فرد مخلوق خواہ چھڑا بر یا بڑا اللہ تعالیٰ کے آگے عاجز اور اس کا محتج ہے۔

امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ ھ) سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مانگو تو اللہ سے مانگو۔ مدد مانگنی ہو تو اللہ ہی سے مانگو اور جان لو کہ سب لوگ بھی جمع ہو جائیں کہ تجھے کوئی نفع یا نقصان پہنچائیں تو ہرگز کوئی نفع یا نقصان نہ دے سکیں گے مگر وہی کچھ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہو تقدیر کے قلم اٹھ

چکے میں اور تحریریں خشک ہو چکیں لے

اس حدیث میں سب لوگوں (جميع الآثر) کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں :
ای جمیع الخلق من الخاصة والعامة والانبیاء والاولیاء
وسائر الامم لے

(ترجمہ) سب لوگ خاص ہوں یا عام، انبیاء ہوں یا اولیاء۔ سب امت بل کبھی تیرے کسی
نفع یا نقصان کے مالک نہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ملا علی قاریؒ نے یہاں انبیاء و اولیاء کو باقی سب مخلوق کے
ساتھ درجے میں برابر کر دیا۔ اگر نہیں اور برکز نہیں تو پھر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا کیا تصور ہے کہ
ان کے پر ایہ بیان کو آپ محض اس لیے سخت سمجھیں کہ انھوں نے انبیاء و اولیاء کے ذکر کے ساتھ
بعوت اور پرپی کا ذکر کیوں کر دیا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (۹۴۴ھ) مکتوب نمبر ۱۴۳ میں انسان کی محنت
کی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : لقد خلقنا الانسان في كبد (قرآن کریم)ؑ
ایجا اولیاء و انبیاء۔ خواص و عوام برابر اند۔ الدنیا دار محنت و دار بلہ۔ بیان اس تمام است لے
(ترجمہ) بیشک ہم نے انسان کو محنت میں پیدا کیا (قرآن کریم) اس جگہ اولیاء و انبیاء خواص و عوام
سب برابر ہیں، دنیا محنت کا گھر اور آزمائش کی جگہ ہے۔ یہ اسی موقع کا بیان ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان عام لغتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے
جن سے اس نے کسی کو محروم نہیں کیا تحریر فرماتے ہیں :

لغتمائے عار اند کہ غنی و فقیر و وضع و شریف و عالم و جاہل و موسن و کافر و

لے مشکوٰۃ ج ۲۵۳ لے مرقات جلد ۱۰ ص ۵۴ لے مکتوبات حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ص ۲۵۸

صلح و فاسق دران یکساں و برابر اند ملے

(ترجمہ) عام نعمتیں وہ ہیں کہ امیر و غریب چھوٹا بڑا عالم و جاہل، مومن و کافر، صالح و

فاسق ان میں ایک جیسے اور برابر ہیں۔

حضرت شاہ سلیمان شہید کی باتوں کو آپ کتنا ہی سخت کیوں نہ کہیں آپ تسلیم کریں

گئے کہ میں سب اصول شریعت کے ماتحت اور سخت بھی ہوں تو اس سے زیادہ سخت نہیں جو

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے والد مرحوم مولانا محمد تقی خاں نے تحریر فرمائی :

تمام انبیاء و مرسلین و ملکہ مقررین اس کے (خدا کے) خوف سے ہدٰی کی طرح

گناہتے ہیں ملے

اسلام کی تیرہ صدیوں میں کسی عالم دین نے پیغمبروں کو بنید کی چٹری نہیں کہا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی جب تک متحدین دہلی کے خلاف کبریت نہ باندھی

تھی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ خدا نہ ہونے میں سب مخلوق برابر ہیں، ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

ایک نکتہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو بات شرک ہے اس کے حکم میں اجبار و اموات و

انس و جن و ملک تمام مخلوق الٰہی یکساں ہیں کہ غیر خدا کوئی ہو خدا کا شریک نہیں ہو سکتا ملے

پس حضرت شاہ سلیمان شہید نے یہ کہہ کر کہ انبیاء و اولیاء جن و شیطان اور مہرت پری

میں سے کوئی خدا کا شریک نہیں اور ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں، کوئی زیادتی نہیں کی۔

خدا کی سی قدرت ماننے کے شرکیہ عقیدے کی تردید

اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا سے بھی کسی مخلوق کو حقیقی طور پر اپنی سی قدرتوں کا مالک نہیں بنایا

کہ جب چاہیں جو چاہیں اور جس کے لیے چاہیں اپنی حقیقی طاقت سے کردہ کائنات نہ خدا کے کسی

مخلوق کو اپنے علم کی سی شان دی ہے کہ جب چاہے بغیر خدا کے تہلے عین کی ہر بات معلوم

لے تفسیر فتح العزیز ص ۱۶۱ ملے جلیۃ البریۃ ص ۴۴ حسنی پریس دہلی ملے حیات الموات ص ۱۵

کر لیا کرے۔ نہ یہ درست ہے کہ انسان کسی مخلوق کے بارے میں خدا کی سی یہ قدرت اور خدا کا اس علم پر علم مانتے ہوئے اس کی صورت (شکل) کا خیال باندھے۔ پہلی صورت مخلوق کو خدا کی قدرت میں شریک کرنا ہے اور دوسری صورت مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے علم میں شریک کرنا ہے اور تیسری صورت اس کی مخلوق کو اس کی عبادت میں شریک کرنے کی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مخلوق کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد رکھے کہ اس میں خدا کی سی قدرت یا خدا کا علم پایا جاتا ہے اور عبادت میں اس کا دھیان باندھنا اور نیت کرنا جائز سمجھے تو اس کا مسلمان ہونا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ مولا باہنیل شہید نے اللہ کا اس علم کسی مخلوق کے لیے ثابت کرنا شرک بتلایا ہے۔ لکھتے ہیں :

”اس کی صورت کا دھیان باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں، زبان سے یاد دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور مجھ پر جو احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری اور ندرستی و کشائش و تنگی و مزاج بدیا، علم و خوشی سب کی ہر وقت اُسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ اُسے لیتا ہے اور جو خیال دوسرے میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب کے واقف ہے۔ سو ان باتوں سے شرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں اس کو شرک فی العلم کہتے ہیں یعنی اللہ کا اس علم اور کو ثابت کرنا۔ اس عقیدے سے آدمی شرک ہو جاتا ہے لہ

خدا تعالیٰ نے کسی کو اپنی صفات میں شریک نہیں کیا۔ نہ کسی کو مستقل طور پر یہ قدرت بخشی ہے کہ اب اسے غیب کی کوئی بات معلوم کرنے میں خدا کے بتلانے کی ضرورت نہ رہے جب چاہے اور جو چاہے از خود معلوم کر لیا کرے اور ہر ہر جزئی کے معلوم کرنے میں وہ خدا کا محتاج

لہ تقویۃ الایمان ص ۵۰ ارشد قادری صاحب نے اپنی کتاب نزول کے صفحہ ۵۵ (ایڈیشن دوم) پر تقویۃ الایمان کی یہ عبارت نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ لکے ”اللہ کا علم اور کو ثابت کرنا“ ارادۃ چھوڑ دیئے ہیں۔

نہ ہوا اللہ تعالیٰ نے حقیقی طور پر اسی طرح کسی کو عیب دانی کا مالک نہیں بنایا نہ عیب کی کنجیاں اس نے کسی کے حوالے کی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو لاکھوں کروڑوں غیوب پر مطلع فرمایا اور انھوں نے بھی ہزار ہا عیب کی باتیں اپنے اُفتیلوں اور ساتھیوں کو بتلائیں لیکن وہ سب ایک ایک اطلاع خدا سے پاتے تھے اور ایک ایک بات معلوم کرنے میں وہ خدا کے محتاج تھے۔ یہ درست ہے کہ ان کا جہلی فرد بھی ان حقائق کا اور اک کر لیتا تھا لیکن یہ بات بھی صحیح ہے، کہ وہ عیب دانی کے مالک نہ تھے کہ اب عیب کی بات کو جاننے میں وہ خدا کے محتاج نہ رہے ہوں غیبی جزئیات کو جان لینا خواہ وہ کروڑوں ہوں اور بات ہے اور عیب دانی کی کنجیوں کو اپنے ہاتھ میں لے لینا کہ جب چاہیں اور جہاں چاہیں چاہی لگائیں اور معلوم کر لیں یہ اور بات ہے۔ ۱۰

حضرت شاہ اسماعیل شہید جب کہتے ہیں کہ اللہ کے دینے سے بھی کوئی عیب دانی کا مالک نہیں ہوتا۔ اس سے ان کی مراد ان امور غیبیہ کی نفی ہرگز نہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کو مختلف مرقعوں اور ضرورتوں پر اطلاع بخشی ہے۔ وہ صرف عطا مستقل کی نفی کر رہے ہیں کہ کسی کو یہ قوت عطا ہو جائے کہ جب چاہے اور جہاں چاہے از خود معلوم کر لیا کرے اور ہر بات کے جاننے میں وہ خدا کا محتاج نہ ہو کر اسے کسی صفت سے حقیقی طور پر مستصف ہو جانا خواہ خدا کے دینے سے ہی ہوا اس میں آئندہ خدا سے احتیاج نہیں رہتا اور یہ ہرگز درست نہیں۔ خدا کی شانِ صمدیت کا تقاضا ہے کہ ہر مخلوق کو اس کی ضرورت اور احتیاج رہے بے نیازی صرف الہی کی شان ہے اور کوئی بے نیاز نہیں ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ حقیقی کی ایک قسم عطائی بھی ہے۔ اس کے پیرو جب کہیں عطائی قدرت یا عطائی علم کا اقرار کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد عام طور پر

۱۰ عندہ مفاہغ الغیب لا یعلمہا الا هو ۱۱ انما من ۱۲ دیکھئے تقویۃ الایمان ص

حقیقی قدرت اور حقیقی علم ہوتا ہے جس میں اب ایک ایک پر قدرت یا ایک ایک جزئی کا علم از خود قائم ہے۔ مولانا اسماعیل شہید عطا الہی سے بھی حقیقی طور پر کسی مخلوق کو عینب دانی کا مالک نہیں سمجھتے وہ عقائد رکھتے ہیں کہ انسان ہر ہر بات کے جاننے میں خدا کے بتلانے کا محتاج ہے۔ اس سے کوئی مخلوق بڑی ہو یا چھوٹی بے نیاز نہیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :

"حقیقی بھی دو قسم ہے۔ ذاتی، کہ خود اپنی ذات سے بے عطا وغیرہ ہو اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقتہً متصف کر دیا ہو خواہ وہ دوسرے خود بھی اس وصف سے متصف ہو، جیسے

واسطہ فی الثبوت میں۔ یا نہیں جیسے واسطہ فی الایثار میں" الاسن والعلی ص ۱۵۱

واسطہ فی الثبوت کی مثال آگ اور لکڑی کی ہے، لکڑی آگ میں ڈالنے سے آگ ہی

بن جاتی ہے گو وہ پہلے اپنی ذات میں آگ نہ تھی پر عطا وغیرہ آگ بنی جو پہلے آگ تھی۔ اس نے اسے بھی اس وصف سے متصف کر دیا۔ اب اس کا آگ ہوا ایک عطائی صفت ہے لیکن ہے حقیقی کہ آگ میں حقیقت کے لحاظ سے اب کوئی فرق نہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرتوں یا اس کے سے علم سے عطائی حقیقی طور پر بھی کوئی متصف نہیں کہ اب اسے اس کی طاقت اور اس کے علم کی احتیاج نہ رہے۔ واسطہ فی الایثار کے الفاظ خان صاحب نے غلط استعمال کئے ہیں۔

جو لوگ عطا الہی کی اوٹ میں اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقی طور پر انبیاء و اولیاء میں موجود سمجھتے ہیں مولانا اسماعیل شہید ان سے اختلاف رکھتے ہیں وہ عطا الہی سے بھی کسی مخلوق کو حقیقی طور پر عینب دانی کا مالک تسلیم نہیں کرتے وہ جب عطائی علم کی نفی کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہ حقیقی ہے کہ اس کے بعد دینے اور لینے والے میں لمحاظ حقیقت کوئی فرق نہ رہے۔ باقی ہمارا خدا کے بتلانے سے کسی عینب کی بات کو جان لینا سرشاہ صاحب اس سے انکار نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ کسی بات کو معلوم کر لینا یا اس کی تفصیل کر پالینا آپ کے عقیدے میں یہ کسی کے بس میں نہیں۔

اللہ نے جتنا دیا اس سے زیادہ معلوم کر لینا

اگر کچھ بات اللہ نے کسی اپنے مقبول بندے کو وحی یا الہام سے بتائی کہ فلا نے کام کا انجام بخیر ہے یا بُرا۔ سو وہ محمل بات ہے اس سے زیادہ معلوم کر لینا اور اس کی تفصیل دریافت کرنی (تفصیل کو پالینا) ان کے اختیار سے باہر ہے لے

اس عبارت سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کو انبیاء و اولیاء کی اس اطلاع علیٰ غیب سے کہیں انکار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی یا الہام سے بخشی وہ جس بات کی تردید کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب دانی کسی مخلوق کے قبضے میں دی ہو کہ جب چاہے اللہ کے بتلانے بغیر کسی غیب کی بات کو پالیا کرے۔

مخلوق کی طرف دھیان باندھنے کی شرکیہ صورت

مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ذمہ ایک یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ آپ نے نماز میں کسی بزرگ یا حضورؐ کے خیال آنے کو بدترین صورت اعتقاد بتلایا ہے اور ادنیٰ مخلوق کے خیال آنے کو اس سے کم بُرا کہا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی اس عبارت پر پھر غور فرمائیں جو تقویۃ الایمان کے حوالے سے ابھی گزری ہے اور اس کے ان ابتدائی الفاظ پر پوری توجہ فرمائیں۔

اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں۔ زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی چیز بچی نہیں رہتی..... سو ان باتوں سے شرک ہو جاتا ہے لے

مولانا اسماعیل شہید یہاں خیال آنے پر نہیں خیال باندھنے پر تنقید کر رہے ہیں خیال باندھنے سے مراد اس کے سامنے پیش ہونے کی نیت کرنا ہے۔ نماز میں کپ خدا کے سامنے پیش ہونے کی نیت باندھتے ہیں اب اسے دوسرے ہٹا کر کسی دوسری طرف باندھ لینا اور اسکی صورت یا اس کی قبر کو اپنے سامنے سمجھا اور اس میں دھیان جہا یہ ایک خدا کی عبادت نہیں اس میں شرک کی آلائش ہے۔

مولانا مرحوم پر اعتراض کرنے والے اگر خیال آنے اور خیال باندھنے میں فرق ملحوظ رکھتے تو کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا، خیال آنے کو کوئی شخص برا نہیں کہہ سکتا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اسے ایک انعام بھی کہا گیا ہے لیکن نماز میں کسی مخلوق کی طرف خود دھیان باندھنا اور خدا سے اپنی نیت کو ہٹا کر اس مخلوق پر لے آنا اسے کوئی مسلمان بھی جائز نہ کہہ سکتا تھا۔ خیال آنے اور خیال باندھنے میں فرق نہ کرنے سے بات کہاں کہاں جا پہنچی

۵ اتنی سی بات تھی جیسے افسانہ کر دیا

نماز میں کسی مخلوق کی طرف دھیان باندھنا یہ اس کے لیے انتہائی تعظیم ہے جس کی عبادت ہے یہ شرک ہے کسی اور مخلوق کی طرف کوئی دھیان نہیں باندھتا نہ اس کی پرستش تعظیم کسی کے دل میں آتی ہے۔ مشرک لوگ اعلیٰ درجے کی مخلوق کو خدا کی عبادت میں شریک کہتے ہیں۔ معمولی چیزوں کے بارے میں یہ ذہن پیدا نہیں ہوتا نہ ان کا خیال آنے سے ان کی کوئی تعظیم پیدا ہوتی ہے بس خیال آیا اور گیا ان کی طرف کوئی شخص انتہائی تعظیم سے دھیان نہیں باندھتا نہ انھیں کوئی خدا کی عبادت میں شریک کرتا ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید نے تقویۃ الایمان کی اس عبارت میں خیال باندھنے کا لفظ دو دفعہ بیان کیا ہے۔ یہ اس لیے کہ کوئی شخص اسے خیال آنے کے معنی میں نہ لے سکے۔ خیال آنا اور بات ہے اور خیال باندھنا اور بات ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں کسی لائق تعظیم

مخلوق کی طرف دھیان باندھنا اور اس کے بارے میں وہ عقیدے رکھنا جو مولانا مرحوم نے اس عبارت میں ذکر کیے ہیں شرک کی بڑی واضح صورت ہے جس کے مقابلے میں برگناہ اس سے بہر حال بچتا ہے۔

مرابطہ سنیقہم کی عبارت کو سمجھنے کے لیے تقویۃ الایمان کی اس عبارت کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے اور خیال آنے اور دھیان جانے میں فرق کرنا اس اقرض کا بہترین حل ہے۔ ہر بات کی مراد مصنف کے اپنے دائرہ علم کی مطابقت میں طے ہونی چاہیے تصنیف را مصنف نیکو کند بیان کا اصول بہت سے اختلافات میں پوری رہنمائی بخشتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں تصرف ربانی کے مسئلہ کی بھی وضاحت کر دیں۔

تصرف ربانی میں واسطہ بننا | تصرف ربانی کا واسطہ ہونا شرک نہیں بشرطیکہ اسے خالصتاً امر الہی سمجھا جائے بندہ کے اپنے

ارادے کا اسمیں دخل نہ مانا جائے اللہ تعالیٰ جس طرح فرشتوں کو اپنے فیض اور تصرف کا واسطہ بناتے ہیں اس طرح بعض اوقات اولیاء کرام کی ارواح قدسیہ سے بھی یہ کام لے لیتے ہیں۔ کاملین کی ارواح مدبرات میں حکماً داخل ہیں اور یہ سب الہی تصرف ہے وہ ذات برحق فرشتوں سے بھی اور ارواح قدسیہ سے بھی عالم میں تصرف فرماتا ہے اولیاء اللہ کے اپنے بس میں کسی کا نفع و نقصان نہیں نہ بندوں کے لیے جائز ہے۔ کہ وہ ان ارواح قدسیہ اور اولیاء کرام سے اپنی حاجتیں مانگیں۔ ہاں خدا کے لیے بالکل بجا ہے کہ وہ فرشتوں یا ارواح قدسیہ کو بندوں کی حاجات پوری کرنے کیلئے بھیج دیں بندہ اگر یہ سمجھے کہ یہ اپنے ارادہ اور اختیار سے میری مدد کر رہے ہیں یا میرے نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ تو یہ بے شک شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کے ذریعہ اپنے بندوں کی مرادیں پوری فرمائے اور بندہ ان سے فیض یاب ہو تو یہ شرک نہیں شرک بندے کا فعل ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اس کے کسی فعل میں شرک کی آلائش نہیں۔

ان دونوں میں فرق نہ کرنے کے باعث بعض جہلاء نے ایسے بہت سے واقعات کو جن میں بعض فوت شدہ بزرگوں کی ارواحِ قدسیہ کا کہیں ظہور ہوا اور انہوں نے بگم الہی کسی کی مدد کی یا کسی کو کسی امر غیبی کی خبر دی موجبِ شرک گمان کر لیا اور بڑے صمطراق سے دعویٰ کیا کہ اس سے اسلام کا وہ عقیدہ توحید جاتا رہا جس کی مولانا اسماعیل شہیدؒ تبلیغ کرتے تھے کہ اولیاء اللہ کے اپنے بس میں نہیں کہ کسی شخص کو کوئی نفع یا نقصان دے سکیں یہ جہلاء سمجھ نہ پائے کہ ایسے سب واقعات فعلِ خداوندی تھے جو ان ارواح کے ذریعے صادر ہوئے بندے نے تو انہیں اپنی مدد و اداءِ الاسباب کے لیے نہ پکارا تھا۔ پس یہ شرک کیسے

ہو سکتا تھا؟

زلزلہ کے مصنف نے اپنی نامکھی سے ادیبانے دیوبند کی ارواحِ قدسیہ کے بعض ظہور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے عقیدہ توحید کے منافی سمجھ لیے اور دعویٰ کیا کہ علماء دیوبند کے ان سیرت نگاروں نے ان جیسے واقعات ذکر کر کے خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے مذہب کا خون کیا ہے۔ مصنف مذکور یہ نہ سمجھے کہ ان واقعات عجیبہ میں یہ کہیں نہیں کہ ان حضرات نے کبھی اولیاء کرام کو اپنی اس مافوقِ الاسباب مدد کے لیے پکارا ہو۔ مولانا شہیدؒ کے عقائد کو تصویر کا پہلا رخ قرار دینا اور اولیاء اللہ کی ارواحِ قدسیہ کے ظہور کو تصویر کا دوسرا رخ قرار دینا اور دونوں باتوں کو خواہ مخواہ ایک دوسرے سے ٹکوانا اور ایک دوسرے کا معارض بتلانا بھل ہے یا سینہ زوری، علم و انصاف اس کی کہیں اجازت نہیں دیتے یہ دوسری صورت خالصتاً فعلِ خداوندی ہے جو ان ارواح کے ذریعہ ظاہر میں آتا ہے یہ ارواح کرام اپنے اختیار اور ارادہ سے بندوں کی کہیں مدد نہیں کر رہے اور یہ صورت حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے عقیدہ میں ہرگز شرک نہیں۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اس عقیدہ میں علمائے دیوبند کے ساتھ ہیں توحید و شرک کے بیان میں انہوں نے جو باتیں کہی ہیں وہ بجا ہیں لیکن ان سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ

اللہ تعالیٰ جب چاہیں اپنے کسی مقرب فرشتہ یا کسی روح کامل کے ذریعہ دنیا میں کسی شخص کی مدد فرمادیں جب یہ مدد اس دلی کے اپنے اوردہ و احتیاج سے نہ ہونے لگے کسی نے اپنی مدد کے لیے ماوراء الاسباب پکالا ہو، بلکہ صرف فعل خداوندی سے اس کا ٹھکانہ ہوا ہو تو اس میں کون سی شرک کی بات ہے اللہ تعالیٰ بعض دفعہ ارواح کاملین کو دنیا میں بڑے بڑے انقلابات کا واسطہ بنا دیتے ہیں، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :-

حکیم علی الاطلاق ایساں را واسطہ در تصرفات کو نیز مے گرداند مثل نزول احوال و اشجار و تغلیب احوال و اودار و تحول اقبال و اودار سلاطین و انقلابات حالات افعیاء و مساکین۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو دانائے مطلق ہے ان اولیاء اللہ کو عالم کون کے تصرفات کا واسطہ بنا لیتا ہے بارشوں کا برسا، درختوں کا اگنا، حالات کا پلٹنا بادشاہوں پر اچھے اور بُرے حالات آنا۔ دولت مندوں اور عزیزوں کے حالات کا بدلنا۔ ان جیسے امور میں یہ اولیاء اللہ تصرف کا واسطہ ہو سکتے ہیں حضرت شہیدؒ شرک کی صورت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

پس آنچه از غیرات و تقلبات مذکورہ چہ در اقطار عالم و اطوار بنی آدم حادث مے گردد ہمہ از قدرت کاملہ ایساں نیست نہ از نتائج طاقت اسکانی نہ اینکه حق جل و علا ایساں را قدرت تصرف عالم عطا فرمودہ کار و بار بنی آدم بایساں تفویض نمودہ پس ایساں بامر الہی قدرت خود صرف مے نمایند و این تصرفات گونا گوں و تغیرات و تعلیم در عالم کون ہر روئے کار مے آرد کہ ایں اعتقاد شرک محض است و کفر بہت ہے

ترجمہ: پس انسانوں اور دنیا کے حالات میں جو تبدیلیاں اور انقلاب آتے ہیں ان (اولیاء) کی قدرت سے نہیں ہوتے نہ یہ کسی انسانی طاقت کا نتیجہ ہیں نہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ حل و علا نے انہیں دنیا میں تصرف کرنے کی قدرت دے رکھی ہو اور لوگوں کے کاروبار ان کے سپرد کر رکھے ہوں اور وہ بامالہ اپنے اختیار کو اس میں صرف کرتے ہوں اور یہ طرح طرح کی تبدیلیاں اور رنگارنگ کے انقلابات لاتے ہوں یہ شرک محض اور کفر خالص ہے۔

پھر آپ اس ظاہری تعارض کو رفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

بالجملہ نزول تقدیر الہی بنا بر وجاہت کسے یا دعائے کسے از مقبولین امرے دیگر و صدود تصرفات کوئی از ہاں مقبول اگرچہ بامر اللہ باشد امرے دیگر کہ اول عین اسلام است و ثانی محض کفر ہے

ترجمہ: پس کسی مقرب ولی کے اکرام کے طور پر یا کسی بزرگ کی دعا کی بنا پر تقدیر الہی کا اترنا اور بات ہے اور خود کسی بزرگ سے اس عالم کون ہیں تصرف ہونا گو خدا کی عطا سے ہو یہ اور بات ہے پہلی بات عین اسلام ہے اور دوسری محض کفر

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے دنیا میں اپنے ارادہ و اختیار سے تصرف ماننا یہ صحیح نہیں نہ یہ وہ صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے کسی مقرب روح کو دنیا میں کسی کام کے لیے بھیج دیں اس صورت میں یہ اِذِ اِرح قدسہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں بمنزلہ آلہ اور واسطہ کے ہوں گی اور تصرف خالصتہ فعل خداوندی ہو گا اور یہ ہرگز شرک نہیں مولانا شہید پہلے فرما چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان اولیاء مقربین کو عالم کون میں تصرفات کا واسطہ بناتے ہیں ۲

ہاں جو لوگ نادانی میں انہیں پکارنا شروع کر دیں ان سے مراد ہیں مانگیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ یہ اپنے ارادہ و اختیار سے ہماری مدد کرتے ہیں تو یہ بے شک ایک جھٹکی راہ ہے تاہم یہ اپنی جگہ واضح ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ ان تمام روحانی کمالات اور اسرار کو نبیہ کے قائل تھے۔

توحید سے متعلق یہ چند امور بنیادی حیثیت رکھتے تھے اس لیے ان کی کچھ وضاحت کر دی گئی ہے جو لوگ اسلام کے عقیدہ توحید میں ترمیم کر رہے تھے مولانا اسماعیل شہیدؒ کا بیان توحید ان پر ضرب کاری تھا، انتقامی جذبے کے ساتھ انھوں نے مولانا شہیدؒ کے خلاف پکار و آواز کی کہ ان کے بیان توحید کو انبیاء علیہم السلام کی شان میں تنقیص کرنا شروع کر دیا حالانکہ اللہ عزوجل کی توحید میں انبیاء و مرسلین کی برگز توبین نہ تھی۔ اسلام کے عقیدہ توحید کو انبیاء علیہم السلام کی شان سے برائے کی بدعت مولانا شہیدؒ کے نادان مخالفین کی ایجاد ہے۔

پیغمبروں کی شان بگڑے میں

اب ہم اس بات کی وضاحت کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان کے بارے میں مولانا اسماعیل شہیدؒ کا عقیدہ کیا تھا۔ اس کے بعد ان چند الزامات کی وضاحت کی جائے گی جو توحید و رسالت کے اس فرضی تصادم میں جھوٹے الزام لگانے والوں نے تفریقِ اُست کے لیے پیدا کر رکھے ہیں۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ہاں جس طرح توحید باری تعالیٰ پر عقائد ضروری ہے رسالت کے بارے میں بھی آپ اسی ضرورت کا احساس رکھتے ہیں۔

مولانا اسماعیل شہید کا عقیدہ

توحید کے ساتھ رسالت کی ضرورت

حضرت مولانا اسماعیل شہید کا دل جس طرح توحیدِ خالص سے سرشار تھا اور آپ عقیدہ توحید میں کسی ادنیٰ آلائشِ شرک کو گوارا نہ کر سکتے تھے۔ شانِ رسالت کے بارے میں بھی آپ کا دل اسی عظمت و خلوص سے سوجزن تھا اور انبیاءِ کرام کی رفعت و عصمت ان کے آئینہ عقیدت کا شریعہ تھی۔ آپ نے تقویۃ اللایمان میں شرک و توحید کے فاصلے بڑی وضاحت سے بیان فرمائے تو آپ کا دل رسالت کے باب میں اسی وضاحت کا طالب ہوا۔ اس مذبہ عقیدت میں آپ نے سنی عقیدے پر استقامت کی دعا کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحیم و کریم کے سوا کسی اضافہ میں ذکر کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں درود و سلام عرض کیے۔ تقویۃ الایمان کے آخر میں آپ نے بڑی توجہ اور اکلح سے اللہ رب العزت کے حضور میں دعا کی۔

”اے مالکِ ہمارے! اپنے ایسے پیغمبرِ رحیم و کریم پر ہزاروں درود و سلام بھیج اور انھوں نے ہم جیسے جاہلوں کو دین کے سکھانے میں حد سے زیادہ کوشش کی تو تو اس کوشش کی قدر دانی کر کہ ہم تو ایک عاجز بندہ ہیں۔ محض بے مقدور۔“

۱۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ مولانا اسماعیل شہید مدد و سلام کے شکر تھے وہ اپنے اس بہتان سے تبرک کریں۔ ۲۔ یعنی حضور کی شان اتنی بلند ہے کہ ہم جیسے علم اور بہت و ملے اس کی قدر دانی سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کی صحیح قدر کر سکتے ہیں۔

سو جیسا تو نے اپنے فضل سے ہم کو شرک و توحید کے معنی خوب سمجھائے اور
لا الہ الا اللہ کا مضمون خوب تعلیم کیا اور شرک لوگوں میں سے نکال کر
موجود پاک مسلمان بنایا اسی طرح اپنے فضل سے بدعت و سنت کے معنی خوب
سمجھا۔ اور محمد رسول اللہ کا مضمون خوب تعلیم کر۔ اور بدعتی مذہبوں
سے نکال کر سنی پاک قبیح سنت کا کر لیا

اس عبارت سے یہ عطا ہے کہ مرلا پہل شہید جس طرح توحید خالص پر عقائد ضروری
سمجھتے تھے اسی طرح آپ رسالت کے بارے میں بھی صحیح عقائد کے مخلص طلبگار تھے۔ یہی وجہ
ہے کہ آپ نے سنی عقائد پر رہنے کی دعا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پوری طرح تابع دار
بننے کی اللہ رب العزت سے استدعا کی۔

آپ اپنے سنی عقائد میں اس قدر مخلص تھے کہ آپ نے تقویۃ الایمان کے توحید کے بیان
میں بھی ضروری متعینوں پر ان کی نشاندہی کر دی اور رسالت کے بارے میں جو عقیدے ایک سنی
مسلمان کے ہونے چاہئیں انھیں مختصر طور پر ذکر کر دیا اور تمنا کی کہ آئندہ ان معانی میں کواد کو محکم
ماہنامہ اکھمیت ہنگام کے باب الاستفسارات کے یہ چند نقوش اس سلسلہ میں بہت
رہنمائی کر سکتے ہیں انھیں سوال کے ساتھ ہی ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔

بخدمت جناب علامہ صاحب - بعد ماہر اسنون

سوالے : میں نے آپ کے کہنے کے مطابق مرلا پہل واپسی کی کتاب تقویۃ الایمان نگائی
ہے اور اسے خود دیکھا ہے مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ کتاب ایان کو خراب کرنے والی ہے۔ میں نے اس
کتاب کا مطالعہ کیا تو اس میں زیادہ تر قرآن مجید کی آیات اور احادیث ملیں۔ میں نے محسوس کیا ہے
کہ اس میں سند توحید کو بڑا محکم کر بیان کیا ہے لیکن — سوال ہے کہ اسلام کیا

صرف توحید کا نام ہے کیا رسالت اس کا برابر کا جزو نہیں اگر دونوں باتیں ضروری ہیں تو تقویۃ الایمان میں رسالت کی شان کیوں بیان نہیں کی۔ اس میں شان رسالت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ نہ کہیں روحانیت کا بیان ہے۔ اگر میں غلط سمجھا ہوں تو میری رہنمائی فرمائیں۔ والسلام
نیا زمند مجاہد

احکام و منہ الصدق والصواب

محترم ابوعلیہ السلام در رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ واقعی حضرت شاہ صاحب کے بارے میں حقیقت حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے آپ توحید و رسالت کو اپنے اپنے درجے میں پیش نظر رکھیں تو انشا اللہ العزیز بات سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی۔

محترم اسلام کی حقیقی منزل معرفت باری تعالیٰ ہے۔ رسالت اس کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اسی لیے آتے رہے کہ اللہ کی راہ بتلائیں اور اپنے عمل سے اسکی کتاب سمجھائیں۔ توحید و رسالت ایک درجے میں نہیں۔ توحید منزل ہے اور رسالت اسکی معرفت چونکہ معرفت کے بغیر منزل پر پہنچنا ممکن نہیں۔ اس لیے مسلمان ہونے کے لیے توحید و رسالت دونوں کا اقرار ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرے اور رسالت کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تاہم ضروری ہے کہ آپ توحید و رسالت کو اپنے اپنے درجے میں پیش نظر رکھیں اس سے تقویۃ الایمان کے مضامین خود آپ کے لیے سہل ہو جائیں گے۔

یہ صحیح نہیں کہ حضرت شاہ سہیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان میں صرف توحید بیان کی ہے۔ اس میں شان رسالت کا کہیں اقرار نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ورنہ آپ شاہ صاحب کی یہ عبارت بھی اس میں دیکھ لیتے۔

پیغمبروں کی بڑی شان

پیغمبروں کی تو بڑی شان ہے۔ ان کی خبر دینے سے کیونکر یقین آوے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل توحید کا حکم اور شرک کا منع۔ اللہ صاحب نے ہر کسی سے علم ارواح میں کہہ دیا ہے اور سارے پیغمبر اس کی تائید کو آئے ہیں اور ساری کتابیں اسی کے بیان میں آتیں۔ سو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا فرمانا اور ایک سو چار کتاب آسمانی کا علم اسی ایک نکتہ میں ہے کہ توحید خوب درست کیجیے اور شرک سے بہت دور بھاگئے۔

اس عبارت میں شاہ صاحب نے واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ پیغمبروں کی تو بڑی شان ہے اور پھر علم ارواح کا بھی اقرار کیا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تقویۃ الایمان میں اقرار ضمنی ہے کہ واللہ کو خود توحید سے چڑھے اور چونکہ تقویۃ الایمان کا اہم موضوع توحید ہے اس لیے وہ اس کتاب کے نام سے چڑھتے ہیں ورنہ شاہ رسالت کا اقرار اس میں اپنی جگہ نہایت واضح طور پر موجود ہے۔ یہ بات کہ شاہ صاحب حضور کو درجے میں بڑا بھائی سمجھتے ہیں ایک جھوٹا الزام ہے۔ آپ تو فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کی بڑی شان ہے پھر حضور کو تمام انبیاء کے سراج اور سردار ہیں۔

فیضان نبوت | حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کہتے ہیں:

خدا تعالیٰ کی رضامندی ان کی رضامندی میں داخل کی گئی ہے اور اللہ عزوجل کی فرمانبرداری ان کی فرمانبرداری پر موقوف ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غصے نے ان کے غصے کے ساتھ اتصال پیدا کیا ہے۔ اسی عنایت اور ولایت کے نمونہ اور اسی بزرگی اور عزت کے عکس سے ان ربانی حکیموں اور انبیاء و مرسلین کے وارثوں کو حصہ ملا کرتا ہے۔

جن حضرات کا نبوت و رسالت کی اس عظمت پر ایمان ہوا اور وہ انبیاء و مرسلین کے وارثوں میں بھی اس فیضان کے قائل ہوں ان کے بارے میں کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے حلقے تعظیم رسالت سے معزول نہیں۔ لیجئے مولانا اسماعیل شہیدؒ ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

تعظیم رسالت کا بیان :

نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج اور جہاد اور باقی شانہ اسلامیہ کی عظمت کا اعتقاد بھی اسی طرح کرے اور مطلقاً شرع شریف اور کعبہ اور انبیاء اور رسولوں کی تعظیم بھی اسی قسم سے ہے بلکہ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

ساکب کو چاہیے کہ انبیا اور اولیاء بلکہ تمام مومنین کے حقوق اور تعظیم کے ادا کرنے میں نہایت کوشش کرے بلکہ

انبیاء کرام کی زندگی اُمت کے لیے نمونہ اور فیض دہانی کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ اس میں غلطی

انبیاء کا غلطی سے پاک ہونا

آئے تو ہدایت سادہ کے آئینہ میں داغ آتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ نے ان حضرات قدسیہ کو غلطی سے پاک رکھا۔ یہی عقیدہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا تھا :

انبیاء اور مرسلین اور اولوا العزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی تجلی میں سے ہے۔ پس اس سیر کے تین درجے ہیں۔ اول اس لحاظ سے کہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا منشا ہے۔ ”اسی طرح سے علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں سے کسی طرح سے غلطی واقع نہ ہو سکے“ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بات ہمیشہ حتیٰ کہ خواب میں بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ ان کا وجود باوجود فیض کا

منبع ہوتا ہے۔

کیا اب بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ انبیاء و مرسلین کی (معاذ اللہ) بلادی کرتے تھے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب جو انہیں شام بیل اور دشنامی دُخا اور رسول کو گالی دینے والا، کہتے تھے کس قدر حق پرست تھے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ مولوی احمد رضا خاں مسلمانان ہند کو جہاد سے روکتے تھے اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے جان میں ان جہاد میں جان آفریں کے سپرد کی تھی اور آپ نیابت الہی میں عنایت الہی کا نشان تھے۔

نیابت عن اللہ کا مقام یہ مقام مستقل طور پر انبیائے اولوالعزم کا مقام ہے اور ان کی فرمانبرداری سے بعض بڑے باعمل

حالم اس مقام کے ظل اور اس فخر کے عکس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں جن کو قوم کی اصطلاح میں مجمع اللہ (HEAVENLY SIGNS) کہتے ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب ملکوت تھا۔

رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں

بھائی کا درجہ بڑا ہے لیکن باپ کا اس سے زیادہ ہے، ولی اور صحابی کا اس سے بھی زیادہ ہے اور رسالت کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ انسان کے لیے رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں یہی تقویۃ الایمان میں ہے:

”بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں مگر آدمی رسول ہو کر بھی آدمی رہتا ہے اور بندہ ہی ہوتا اس کا فخر ہے کچھ اس میں خدا کی شان نہیں آجاتی اور خدا کی ذات میں نہیں مل جاتا۔ سو یہ بات کسی

بندہ کے حق میں نہ کہنا چاہیے کہ نصائی ایسی ہی باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں کہہ کر کافر ہو گئے " ۱۷

شاہ صاحب نے نہایت واضح طور پر سب درجات کو خواہ بھائی کا درجہ ہو یا باپ کا ولی کا ہر یا بھائی کا رسالت کے مرتبہ سے نیچے تسلیم کیا ہے اور رسالت کو سب سے بڑا مرتبہ قرار دیا ہے تو جو لوگ شاہ صاحب پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حضور کا درجہ بڑے بھائی کا سا سمجھتے تھے۔ کتنا واضح جھوٹ بولتے ہیں اور آخرت سے کس قدر بے خوف ہیں شاہ صاحب کا عقیدہ آپ کے سامنے ہے۔ ہاں شاہ صاحب یہ ضرور کہتے ہیں کہ آپ کی تعظیم خدا کی سی نہ ہونی چاہیے کیونکہ انسانی تعظیم عبادت کہلاتی ہے۔ آپ کے آگے رکوع نہ کیا جائے نہ آپ کو سجدہ کیا جائے بلکہ آپ کی تعظیم اس انتہائی شان رسالت کے باوجود انسانوں کی سی ہو نہ خدا کی سی البتہ برابر کے انسانوں کی سی نہیں بڑے انسانوں اور اونچے درجے کے انسانوں کی سی ہو کیونکہ آپ انسانی برادری میں سب سے بڑے انسان تھے اور انسان کامل تھے۔ سو یہ بات آداب تعظیم کی ہے کہ وہ انسانوں کی سی ہو نہ خدا کی سی نہیں، وجہ اور مرتبہ کی نہیں کہ ان کا درجہ بڑے بھائی کا سا سمجھ لیا جائے۔ شاہ صاحب نے بات تعظیم کی کسی بھی الزام لگانے والوں نے اسے درجہ اور مرتبہ کی بات بنالیا۔

انسانی برادری کے بڑے بھائی

صحابہ نے آپ سے سجدہ تعظیم کی اجازت چاہی تو آپ نے انہیں اس کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو۔ اس حدیث میں حضور نے واضح سے اپنے آپ کو مسلمانوں کا بھائی فرمایا اور پیغمبر کریم میں بھی غلط بیانی نہیں کرتے اور جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا ہے، حق ہوتا ہے اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ انسانی برادری کے بڑے بھائی تھے لیکن سب سے بڑے بھائی جن سے بڑا کوئی انسان پوری نسل آدم میں نہیں ہوا پس آپ کی

تعلیم میں دست بستہ قیام، رکوع اور سجود کے وہ انداز اختیار کیے جائیں جو اللہ رب العزت کے حضور میں اختیار کرنے چاہئیں بلکہ آپ کی ظاہری تعلیم انہی حدود میں رہے جو چھوٹے درجے کے انسان بڑے درجے کے انسانوں کے بارے میں اختیار کرتے ہیں اور یہ بات بھی مولانا شہیدؒ نے از خود نہ کہی تھی بلکہ حضورؐ کی ہی ایک حدیث کی تشریح کی تھی جن لوگوں نے تعلیم کی بحث کو درجے اور مرتبے کی بحث بنا دیا ہے انہوں نے علم اور دیانت کا خون کیسا ہے حضرت مولانا شہیدؒ لکھتے ہیں:

”جتنے آدمی کے مرتبہ بندے ہیں وہ سب انسان ہی تھے اور بندے عاقل

اور ہمارے (انسانی) بجائی مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ (انسانی راہی کے)

بڑے بجائی ہوئے۔ ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔ ہم ان کے چھوٹے (اور

ماضی) میں سوال کی تعلیم انسانوں کی سی کیجیے نہ خدا کی سی۔“

اس عبارت سے واضح ہے کہ آپؐ تعلیم کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ خدا کی سی نہ ہونی

چاہیے۔ اس میں یہ بات کہ آپؐ کو کہیں نہ ملے گی کہ ان کا درجہ بھی بڑے بجائی کا سہ ہے۔ بات صرف

یہ کہی گئی تھی کہ ان کی تعلیم بڑے انسانوں کی سی کیجیے اور اس سے بچھیے کہ خدا کی سی ہو جائے کیونکہ

پھر یہ تعلیم عبادت ہو جائے گی۔ شاہ صاحبؒ خود اعتراف کرتے ہیں کہ رسالت کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔

”بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں اور سارے مراتب اس سے

نیچے ہیں۔“

حضرت شاہ صاحبؒ اس سے پہلے یہ بات بھی لکھ آئے ہیں کہ انبیاء کرامؑ سب لوگوں

سے بڑے ہیں، اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ انبیاء کرامؑ کو بڑے بجائی کے برابر سمجھیں لہٰذا فرمایا:

”انبیاء و اولیاء کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے سوال کی بڑائی سی ہوتی ہے کہ

اللہ کی راہ تہا ہے میں اور بڑے جملے کاسوں سے واقف ہیں سو لوگوں کو کھٹکتے ہیں اور ان کے بندے

میں تاثیر دیتا ہے۔“

انبیاء سب لوگوں سے بڑے ہیں

شاہ صاحبؒ جب اولیاءِ کرام کو بھی بڑے بھائی کے درجے میں نہیں سب لوگوں سے بڑا مانتے ہیں تو انبیاءِ کرام اور پھر سردارِ انبیاء کو بڑے بھائی کے برابر کہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ صرف اندازِ تعظیم کی بات تھی کہ انسان برادری کے بڑے انسانوں کی سی ہونی چاہیے نہ کہ خدا کی سی اور وہ بھی حضورِ اکرمؐ کے اپنے الفاظ کی شرح تھی جسے کتابِ جامع مطالعہ نہ رکھنے والے جملہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ حضورؐ کا درجہ بڑے بھائی کا سامانتے تھے (معاذ اللہ) اور ان صریح عبارات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے جن میں شاہ صاحبؒ نے حضورؐ کو سارے جہاں کا سردار تسلیم کیا ہے۔

ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار

حضرت مولانا شبیرؒ حضورؐ کو بڑے میں لکھتے ہیں :

”ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ دیکھنے میں ان کے محتاج ہیں“ ۱

شاہ صاحبؒ اس سے پہلے بھی حضورؐ کے بارے میں لکھ آئے ہیں :

”سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے اُن کے بڑے بڑے معجزے دیکھے انھیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں۔ اور سب بزرگوں کو انہی کی پیروی سے زندگی حاصل ہوئی“ ۲

جو لوگ ان واضح اور کھلی عبارتوں کے باوجود آپؐ پر یہ متنبانہ بندھتے چلے آئے ہیں

کہ آپ حضور کا درجہ بڑے بھائی کا سا سمجھتے تھے وہ آخرت میں جواب دہی کے لیے تیار رہیں جہاں جاہل مرید اور ان ٹیڑھ مقتدی نعرے لگا کر ساتھ نہ دے سکیں گے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو شخص حضور کا درجہ اور مرتبہ کسی دلی یا صحابی کے برابر بھی سمجھے وہ حضور کی شان میں بے ادبی کرتا ہے چہ جائیکہ کوئی اسے بڑے بھائی کے برابر سمجھے۔ ایسا کہنے والا مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اسے سمجھ والو سمجھنے کی کوشش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کاملین کو بڑے بڑے
حضور کا مرتبہ مراتب کی انتہاء | دہے عطا فرمائے، چھوٹے سے چھوٹے دلی کا

درجہ بھی کاملین کا ہے لیکن ان تمام روحانی مراتب کی انتہاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی ہے۔ کوئی آپ سے آگے یا برابر نہیں۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:
کامل لوگوں کے مرتبوں میں اس قدر تفاوت ہوتا ہے کہ ان کا شمار محال ہے
ولایت کے ادنیٰ مرتبے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے تک
کے تفاوت کو سمجھنا چاہیے۔

آپ جس طرح نبوت کا دروازہ بند کرنے والے تھے اسی طرح ولایت کا دروازہ کھولنے والے تھے آپ کی پیروی اور برکت سے یہ مقام اپنے مختلف درجات کے ساتھ اس امت کے کاملین کو بھی نصیب ہوا۔ اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ سارے جہاں کے سردار تھے یہ مقام مستقل طور پر تو حضور خاتم النبوة اور فاتح الالائمه محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے اور آپ کی پیروی اور برکت سے اس مقام کا نمونہ بعض بزرگوں کو بھی عطا کیا جاتا ہے۔

حضور کی محبت سب مخلوق سے زیادہ دل میں رکھے

مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

اسے صراط مستقیم ص ۵۲، ۸۰، اسے ایضاً ص ۱۰۴

جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماسویٰ کی نسبت زیادہ تر محبوب ہوں اس نے ایمان کا مزا چکھا لیے
پھر ایک دوسری جگہ یہ لکھتے ہیں :

”پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ماں باپ اور اولاد سے اور تمام مخلوقات سے زیادہ دوست جانے اور سب کی دوستی سے زیادہ ان کی محبت دل میں رکھے اور سب کی مرضی سے زیادہ ان کی مرضی کے کام کرتے لے اس سے پہچلا کہ مولانا اسماعیل شہید کے عقیدے میں حضور کی صرف اطاعت ہی سلازوں پر لازم نہیں۔ آپ کی محبت بھی ہر مسلمان پر فرض ہے اور جب تک حضور کی محبت دل میں سب سے زیادہ نہ ہو اسلام کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

حضور کی محبت اور اطاعت فرض عین ہے

حضور کی محبت ایسا فرض نہیں کہ چند لوگوں کے شوق و اشتیاق سے اُتت اپنی ذمہ داری سے عمدہ برآ ہو جائے۔ حضور کی محبت اور اطاعت ایک ایک مسلمان پر فرض ہے جو اطاعت محبت کی راہ سے آتی ہے اس کا نقش دیر پا ہوتا ہے اور محبت سے اطاعت کا عمل بھی آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت فرض عین ہوتی ہے۔ لے

نسبہ اور صدیقین میں فرق

صدیقیت کا مقام نسبہ یا کرام کے بہت قریب ہے، انھیں سچائی کی راہ اپنے جلی نور اور نسبہ یا کرام کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس قُرب تعلق سے حضرت ابو بکر صدیق نے

ایک دفعہ حضور کو اپنا بھائی کہہ دیا تھا۔ صبح بخاری میں ہے:

فقال له ابو بکر انما انا اخو لك فقال انت اخي في دين الله وكتابه۔ جلد ۱، صفحہ ۱۰۴

انما المؤمنون اخوة ۲۱ (الحجرات) ترجمہ: مسلمان جو ہیں سب بھائی بھائی ہیں
حضرت شاہ اسماعیل شہید اپنے شیخ سے صدیقین کا یہ مقام اس طرح بیان کرتے ہیں

ان بزرگوں اور نسبیا غلام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام امتوں کی طرف مبعوث ہوئے اور یہ بزرگ مغان حکم کو قائم کرتے ہیں اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے یا بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کے درمیان بھی من وجہ برتوت کا علاقہ ہے اور من وجہ اخوت کا اور یہ لوگ اور تمام آدمیوں سے انبیاء کی خلافت کے زیادہ حق دار ہوتے ہیں۔ ۲۲

خود فرماتے ہیں کہ جو شاہ صاحب حضور اکرم کو صدیقین کا بڑا بھائی کہنے سے بھی آگے تباہ ہیں اور حضور کو ان کا بھی روحانی باپ کہتے ہیں وہ کیسے گوارا کر لیں گے کہ ہم جیسے عام آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بڑے بھائی کے برابر سمجھنے لگیں، اس سے زیادہ بے ادبی کیا ہوگی حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانی برادری میں شامل ہونے کے باوجود پوری امت کے روحانی باپ ہیں اور آپ کی ازواج مطہرات سب امت کی روحانی مائیں ہیں۔

مقرر بان بارگاہ ایزدی کی شان

حضرت شاہ اسماعیل شہید ایک مقام پر لکھتے ہیں:

۲۳ ۱۔ یتیم کی کفالت کرنے والے کو فرمایا: "كنت انا و هو في الجنة اخوين" سنن ابن ماجہ ۲۳
میں اور وہ جنت میں دو بھائیوں کی طرح ہوں گے۔ ۲۴ مرابطہ مستقیم ص ۴۵ ط ۲۵

کمالات راہ نبوت ارباب کمال کی بصیرتوں کو کمال قدسی سے سرگین کر دیتے ہیں اور کمال قدسی کے سبب ان کی بصیرت کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور ان کی بصیرت قدسی آنکھ کی طرح کمال جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کماحقہ دریافت کر لیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

یعنی مردان حق اس کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور ایمانی محبت اس دلکشا مقام کے چہرہ سے پوشیدگی کا پردہ دور کر کے لوندوں میں سوطرغ کی روشنی اور رونق کے ساتھ ظاہر کرتی ہے۔

پھر آگے جا کر ایک جگہ لکھتے ہیں :-

”بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور اسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے رنگ سے صاف ہیں، خطیرۃ القدس (دربارہ خلعتی) کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا خطیرۃ القدس یعنی دربارہ خلعتی میں متعذر ہو چکا ہو۔ اکثر نیک نجت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اس کے اسباب کی جمع آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں۔ لیکن جب اس صاحب کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی ہے اور دربارہ الہی میں راستے کا قدم پکا کر لیا ہے اور رفیق اعلیٰ متیام صدق پایا ہے تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پرتو نیک بندوں کے دلوں میں پڑا جائے۔“

آپ عمر فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحب جب صدیقین کے لیے اس درجہ شان کا اقرار کرتے ہیں تو ان کے دل میں ابنیاء علیہم السلام اور پھر سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کس درجہ میں بالا اور برتر ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ حضورؐ کے تعلق سے حضورؐ کے آل و اصحاب کی محبت اور تعظیم کو بھی اشد ضروری سمجھتے ہیں اور ان مقبولانِ بارگاہِ ایزدی سے بغض و عداوت رکھنے کو خبیث لوگوں کی علامت قرار دیتے ہیں۔

حضورؐ کے آل و اصحاب کی محبت اور تعظیم

جس کو حضورؐ سے محبت ہوگی وہ ان سب (صحابہ اور اہل بیت) کی بھی محبت رکھے گا پھر ان اصحاب اور اہل بیت کی تعظیم کرے گا۔ ۱۵
جو شخص حضورؐ کے اصحابوں کی خوبیاں اور نیکیاں سن کر ناخوش ہو وہ کافر ہے۔ اللہ کی راہ سے رانڈا گیا، مردود ہوا۔ ۱۶
پھر لکھتے ہیں :

عجیب خبیث ہے وہ فردہ جو ان مقبول لوگوں سے ناراض اور ناخوش ہو اور بغض و عداوت رکھے اور پھر بے حیائی سے دعوے کرے کہ تو ان پر ایمان رکھتا ہے۔ ۱۷

مترجم! آپ سوچیں کہ جن شاہ صاحبؒ کا دل اللہ کے مقبول بندوں کی محبت اور تعظیم سے اس قدر لبریز ہو کہ وہ ان سے بغض و عداوت رکھنے والوں کو خبیث سمجھتے ہوں۔ بھلا ہو سکتا ہے کہ خود ان کے دل میں ان بقرآن درگاہِ ایزدی کے خلاف کسی قسم کا بغض یا بوجہ موجود ہو بات صرف یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ سے بغض رکھنے والے شاہ صاحبؒ کے بیانِ توحید سے چڑتے ہیں۔ بشرک ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ اسلام کا نور توحید کسی آلائش کے بغیر دنیا میں جلوہ لگن ہو۔

بزرگوں کی محبت ایمان کی علامت | مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :

ایسے بزرگ لوگوں کی محبت، ”پایہ کرنے والے“ کے ایمان اور پرہیزگاری کی علامت ہے

اور ایسے بزرگوں کا بغض، ”کینہہ کرنے والے“ کے نفاق اور بدبختی کا نشان ہے۔

حضرت غوث پاکؒ کے بارے میں اعتقاد | حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے بارے میں غلط پراپیگنڈہ ہے کہ آپ

حضرت پیران شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو نہیں مانتے تھے۔ آپ حضرت الشیخ قدس اللہ سرہ العزیزہ کو اپنے فائدہ کے تمام دلیلوں کے پیشوا اور ولایت کبریٰ کا امام سمجھتے تھے۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں تم نے کتاب فتوح الغیب کو جو دلیلوں اور صاحبانِ فناء بقا کے امام، فضیلتوں اور بزرگوں والے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، جو ساری کی ساری فنائے امدادہ کے مضمون سے جو شبہ ایمانی کا خلاصہ ہے، بھری ہوئی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

جو شخص کہ طریقہ قادریہ میں بیعت کا امدادہ کرتا ہے ضرور اس کو حضرت غوث الاعظم کی جناب میں ایک اعتقاد عظیم حاصل ہو جاتا ہے اور جس وقت اس کی بیعت اس خاندانِ عالی شان میں واقع ہو جاتی ہے تو اعتقاد و سابق کی نسبت ایک مناسبت زائدہ اسے حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو آنجناب کے گروہ سے شمار کرتا ہے۔

دیکھئے اس عبارت کا لفظ لفظ حضرت پیران پرہیز کی عظمت و رفعت اور انتہائی فقا

ولایت کے اقرار سے معمور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حضرات اہل طریقت سے اہل اسلام کو بھاری منافع حاصل ہوئے ہیں۔

اصحاب طریقت کا فیض

اصحاب طریقت میں سے اولیاء کبار نے جو فن شریعت میں باطنی امامت اور دل کے سنوارنے کے قواعد میں درجہ حاصل کر چکے تھے حب ایبانی کو متواترات دینیہ سے جان لیا اہل اسلام میں سے ایک بھاری جماعت کو بہت نفع پہنچایا اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہوں نے بڑی عزت حاصل کی

رحمت ربانی کا اچھلتا فوارہ | اولیاء کرام کا وجود کیا ہے۔ رحمت ربانی کا اچھلتا فوارہ ہے اس سے خلق خدا کی خیر خواہی کے سوتے پھوٹتے ہیں اور فیضان الہی کی بارش ہوتی ہے۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :-

اس مقام میں قیام کرنے کے لوازمات میں سے یہ بات ہے کہ اس مقام کے صاحب کے دل سے فوارہ کی طرح رحمت ربانی اور عام لوگوں کی خیر خواہی جوش زن ہوتی ہے۔

کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ بزرگوں کی رحمت کے قائل نہ تھے وہ تو خود ایک بڑے روحانی مقام پر فائز تھے اور قرب ملکوت میں جگہ پا چکے تھے۔

بزرگوں کے توسط سے رحمت پر دستک | حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ بزرگوں کی ارواح مقدسہ کو

ایصال ثواب کی تعلیم دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

طالب کو چاہیے کہ پہلے با وضو و زانو بیٹھ کر طریقہ چشتیہ کے بزرگوں یعنی حضرت معین الدین سجوی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے۔

فنا فی اللہ اور اتصالِ علوی :- جو اولیاء کبار فنا فی اللہ کی منزل پا لیتے ہیں انہیں

عالمِ علوی سے اتصال مل جاتا ہے پھر وہ ارادہ الہی کے لئے بمنزلہ جارجہ ہو جاتے ہیں۔ خدا کی آنکھ سے وہ دیکھتے ہیں اور اس کے کافوں سے سننے میں۔ مدبرات فرشتوں کے ساتھ ان کے ذمے کام لگا دیے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ ان قدسیوں کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق مآذون و مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کو حتیٰ نیچا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے۔ ۱۷

ارواحِ قدسیہ کی ملاقاتیں اولیاء اللہ کی رُوحوں کو وہ نورانیت نصیب

ہوتی ہے کہ ذکر کے آثار ان کے گرد و پیش پھیل جاتے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء کبار کی ارواحِ قدسیہ سے ملاقات، طوارِ اعلیٰ کی سیر اور فرشتوں تک کو دیکھنا انہیں مل جاتا ہے اور یہ سب رحمتِ خداوندی کا فیضان ہے جو انہیں یہاں تک مقبولیت بخشتا ہے۔ مولانا شہیدؒ لکھتے ہیں کہ لطائفِ غیبیہ کھلنے پر ہر اہل اللہ کو کشف کے یہ مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

مجملہ اس کے آثار کے ذاکر کی روح کی نورانیت ہے اور از ارواحِ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ملکہ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ اور لوح محفوظ کی سیر کرنا اور دہاں کے واقعات کا منکشف ہونا اور الہی امور کی خاطر رُوح کو آسمان پر ٹھہرانا دہاں دورہ و سیر کرنا مناسب ہے ۱۸

ان عبارات اور عقائد کی روشنی میں آپ غور فرمائیں کہ کیا ان کا لکھنے والا کسی پہلو سے بھی بزرگوں کا گستاخ اور بے ادب ہو سکتا ہے حاشا و کلا ہرگز نہیں۔ بزرگوں سے بغض رکھنا ایک بڑی بدبختی ہے حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے رنگ سے صاف ہیں۔ خطیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے سے ایمینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا خطیرۃ القدس یعنی دربار خداوندی میں مقدّر ہو چکا ہو۔ اکثر نیک بخت لوگ اس کو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں ۱۔

ان تصریحات سے یہ بات یقینی درجے میں معلوم ہو گئی ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے بارے میں وہی عقائد و نظریات رکھتے تھے جو ایک بکے سنی عالم کے ہونے چاہئیں اور یہ آپ کی دُعا بھی تھی ۲۔

اولیاء کرام کی ابدی زندگی یہ حضرات بیشک احکام دینی میں فوت شدہ قرار پاتے ہیں لیکن یہ بات بھی برحق ہے کہ یہ لوگ عالم برزخ میں ہمیشہ کی زندگی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ خواص اولیاء کرام کی ابدی زندگی کے قائل تھے

اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور مقبولوں کے لیے موت ایک ایسا پُل ہے کہ ان کو اپنے دوست تک پہنچا دیتا ہے اور ان کو ایسے انعام و معارف ہوتے ہیں کہ اس جہاں میں زندوں کو بہت کم ملا کرتے ہیں۔ اس بنا پر ان کو زندہ سمجھنا چاہیے لیکن اس جہان کے احکام کی طرف نسبت کرنے سے بیشک وہ موت پا چکے ۳۔
علم غیب سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے تقویۃ الایمان میں حاجی انبیاء علیہم السلام سے علم غیب

کی نفی کی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ بات درہل یہ ہے کہ یہ لوگ علم غیب کے معنی نہیں سمجھے ورنہ کون ہے جو اس سے انکار کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو ہزاروں ہزاروں غیب پر مطلع فرمایا ہے۔

حضرت شہ صاحبؒ کے نزدیک علم غیب سے مراد علم ذاتی ہے جو بے عطاء غیر از خود قائم ہو۔ علم غیب کے ان معنوں کے پیش نظر وہ صد ہا غیبی امور جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اولیاء کو اطلاع بخشی۔ علم غیب نہ ہے۔ اہل علم حضرات ان امور کے ماننے کو اطلاق علی الغیب۔ اظہار علی الغیب۔ علم وحی خبر سماوی یا الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ علم غیب نہیں کہتے اور جاہل لوگ ان غیبی اطلاعات کو علم غیب کہنے سے نہیں رکتے۔ علم و جہل کے تضاد نے علم غیب کے اختلاف کو بیشکل دے رکھی ہے ورنہ قرآن کریم نے یا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح غیبی امور کے جان لینے کے لیے علم غیب کا لفظ کبھی استعمال نہ فرمایا تھا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں :

”علم جب کہ مطلق بولا جائے۔ خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مصفا

ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید

شریفؒ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے“ لہ

حضور کا دل مبارک اسرار غیب کا محرم

حضرت شہ اسماعیل شہیدؒ نے جہاں جہاں یہ لکھا ہے کہ انبیاء و اولیاء علم غیب نہیں

کہتے۔ اس سے ان کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بندگان کو اسرار غیب پر اطلاع نہیں

بخشی۔ حاشا و گلا یہ برگز ان کی مراد یہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ خود

مثنوی سلک نور میں لکھتے ہیں ۷

دل اُن کا جو ہے محرم سرِ عیب
مبرا خطا سے ہے بے شک و ریب

(سلیس) آپ کا دل مبارک عیب کے رازوں کا جاننے والا ہے اور سرِ عیب کے جاننے میں وہ دل بلاشبہ و شک و غلطی اور خطا سے پاک اور معصوم ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا عقیدہ یہاں پوری وضاحت سے موجود ہے۔ یہاں عیب کا لفظ علم کی طرف مضاف نہیں کیونکہ شاہ صاحب کے عقیدے میں علم عیب سے مُراد علم ذاتی ہے جو بے عطا و غیر از خود قائم ہو اور یہ صرف اللہ رب العزت کا علم ہے کہ بے عطا و غیر از خود قائم ہے شاہ صاحب ان ہزاروں سرِ عیب اور اخلالاتِ غیبیہ کا مرکز انکار نہیں کرتے جن سے اللہ تعالیٰ نے بارہا اپنے مقبولین کو نوازا اور شرف فرمایا ہے شاہ صاحب کا عقیدہ ہے کہ عیب کی کنجیاں صرف اللہ کے پاس ہیں۔ اس نے یہ کسی مخلوق کے ہاتھ میں نہیں دیں کہ وہ جب چاہے اور جو چاہے چاہی لگا کر غیبی امور کو از خود معلوم کر لیا کرے، نہیں ہرگز نہیں لیکن اس سے مُراد بھی ہرگز نہیں کہ اللہ رب العزت خود بھی عیب کا قفل کسی کے لیے نہیں کھولتا۔

اللہ والوں کے لیے خزانہ غیب کے قفل کھلنا

حضرت مولانا اسماعیل شہید لکھتے ہیں :

”یقین یوں رکھنا چاہیے کہ عیب کے غزلے کی کنجی اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس نے کسی کے ہاتھ میں نہیں دی اور کوئی اس کا خزانچہ نہیں مگر اپنے ہی ہاتھ سے قفل کھول کر اس میں سے جتنا چس کو چاہے، بخش دے۔ اس کا ہاتھ کوئی نہیں پکڑ سکتا۔“ ۱

مقام غور :

غور کیجیے حضرت شاہ صاحب کس مراحت سے اس عبارت میں غیبی خبروں کے بدلے اور غیب کے قفل کھلنے کا اقرار فرماتے ہیں یہی وہ اطلاعات غیبی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے مقربین اور مقبولین کو نوازتے ہیں لیکن چاہی چوکنہ صرف اسی کے ہاتھ میں ہے وہ اس لیے جتنے غیب پر اللہ تعالیٰ اطلاع بخشیں، اس سے زیادہ معلوم کر لینا یہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

اللہ نے جتنا دیا اس سے زیادہ معلوم کر لینا

حضرت شاہ صاحب کی نفی علم غیب سے یہ مراد بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو جن اسرار غیب سے نوازتے ہیں ان سے بڑھ کر کسی بات کا معلوم کر لینا یا کسی محل بات کی تفصیل از خود معلوم کر لینا یہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بھی وہ اللہ تعالیٰ کی ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ چاہتے تو بتا دے نہ چاہتے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ اطلاع نہ دے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت کنویں میں ڈھے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :

”اگر کچھ بات اللہ نے کسی اپنے مقبول بندے کو وحی یا الہام سے بتائی کہ فلاں کام کا انجام بخیر ہے یا بُرا۔ سودہ محل بات ہے اور اس سے زیادہ معلوم کر لینا اور اس کی تفصیل دریافت کرنی (پالینی) ان کے اختیار سے باہر ہے“ لے

اس عبارت سے تہہ چلا کہ حضرت شاہ صاحب کے پیش نظر نفی علم غیب سے غیبی امور کے بارے میں وحی و الہام کا انکار ہو کر نہیں اور شاہ صاحب ان غیبی خبروں کو تسلیم فرماتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء کو وحی یا الہام سے اطلاع بخشی ہو اور اس اطلاع کی زالی شان ہوتی ہے۔

وحی کی زالی شان

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو جن غیبی اطلاعات یا احکام سے سرفراز فرماتے ہیں وہ ایسے قطعی اور یقینی ہوتے ہیں کہ ان میں کسی دخلِ شیطانی، اضافے یا کمی یا کسی بھول چوک کا امکان ہرگز نہیں۔ الہی ضمانت ان کے شامل حال اور خدائی حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ کسی امورِ غیبی سے نوازتے ہیں مگر ان کے ساتھ وہ وعدہ نہیں جو پیغمبروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو وحی اور الہام دونوں سے شرف کیا جاتا ہے اور ان میں شیطان کا دخل کسی طرف سے نہیں رہ سکتا۔ مولانا شبید کہتے ہیں :

”بڑے لوگ جو بات عقل اور قرینہ سے کہتے ہیں سو اس میں کبھی درست، برعاقب ہے اور کبھی چوک مگر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی یا الہام ہو، سو اس کی بات زالی ہے۔“
الہام کا لفظ اولیاء اللہ کی اطلاعاتِ غیبی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی یہ لفظ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی آتا ہے۔ الہی الہام خواہ انبیاء کو ہو یا اولیاء کو وہ اپنی جگہ زالی نہ رکھتا ہے لیکن جو الہام انبیاء کو ہو اس میں دخلِ شیطانی سے پوری حفاظت ہوتی ہے۔ یہ الہام بھی وحی کی طرح ہے اور وحی میں غلطی کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا اسماعیل شبید لکھتے ہیں :

”پیغمبروں کی وحی میں کبھی غلطی نہیں پڑتی“
وحی نبوت کی طرح الہام نبوت بھی غلطی سے پاک ہوتا ہے خدائی حفاظت ہر وقت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کا خواب بھی دخلِ شیطانی سے محفوظ ہوتا ہے حضرت ابراہیمؑ ایک خواب دیکھ کر حضرت اسماعیلؑ کو قرآن کریم لگے تھے۔

دین کے بارے میں کُل علم

حضرت مولانا اسماعیل شبید کا عقیدہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین کے بارے میں کُل علم رکھتے ہیں اور دینی ہدایت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کا کُل علم آپ کو عطا نہ کیا گیا ہو۔ مولانا لکھتے ہیں :

”وہن کی سب باتیں اللہ نے اپنے رسول کو بتلا دیں اور سب بندوں کو اپنے

رسول کی تابعداری کا حکم دیا۔“

حضرت مولانا اسماعیل شہید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو آفاقی سمجھتے تھے، لکھتے ہیں
”پیغمبر خدا کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جانا چاہیے بلکہ آپ کا علم تمام جہانوں

میں پھیلا ہوا ہے۔“

وہ علم جو دین سے تعلق نہیں رکھتے یا جو پیغمبر کی شان کے لائق نہیں ان کی پیغمبر سے نفی کرنا پیغمبر کی ہرگز بے ادبی نہیں بلکہ ان کی عظمت کا اقرار ہے قرآن کریم میں ہے: وما علمناہ الشّعرو ما ینبغی لہ (ترجمہ) اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق تھا۔ یہ حضرت مولانا شہید کے عقائد کا ایک اجمالی نقشہ ہے جو یہ قارئین کیا گیا ہے، یہ چند جزئیات ان مغالطوں کے ازالہ کے لیے کافی ہیں جو ان ابواب میں مخالف یا کم فہم لوگوں کی طرف سے حضرت مولانا شہید کے خلاف عام طور پر پھیلا جاتے ہیں ان حقائق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے حضرت مولانا اسماعیل شہید کے خلاف بہت غلط تصورات قائم کر لیے اور جب حقیقت کھلی تو بڑا اس حقیقت کا اعتراف کر لیا، حضرت مولانا سید بغدادی بھی ان بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے نہایت صراحت سے حقیقت واقفہ کا اقرار کیا، حضرت مولانا اسماعیل شہید جب کا پتہ میں تھے تو آپ نے جناب دال بغدادی صاحب کو اپنے عقائد و نظریات کے بارے میں خط لکھا تھا ۱۲۴۰ھ میں بغدادی صاحب نے حضرت شہید کو بذریعہ خط اطلاع دی :

”میں نے جو کچھ آپ کی نسبت کہا وہ بالکل محض اس وجہ سے تھا کہ میں آپ کا

کلام سمجھ نہ سکا کیونکہ رسالہ اردو میں تھا اور میں عرب کا رہنے والا ہوں۔“

حضرت مولانا اسماعیل شہید کے عقائد پر آپ مطلع ہو چکے اب حضرت کے فقہی

موقف پر بھی نظر ڈالیں۔

مولانا اسماعیل شہید کا موقف فقہ

شاہ صاحب کا خاندانی مسلک

حضرت مولانا اسماعیل شہید اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو باب وادارے سے حنفی مسلک پر کاربند چلاتا تھا۔ شاہ صاحب خود بھی اسی مسلک کے پابند تھے۔ ہاں مولانا اس بات کے شدید مخالف تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کوئی مسلمان بے ادبی یا نفرت کی نظر سے دیکھے۔ ائمہ مجتہدین کے ہاں راجح اور مرجوح کا اختلاف کسی عقیدہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ جو سنن دوسرے ائمہ کے نزدیک راجح ہوں وہ انھیں تشحر کا موضوع بنائے یا حتی و باطل کا معیار ٹھہرائے۔ آپ نے رفع الیدین کے مسئلہ پر تنویر العینین اسی جذبہ کے تحت لکھی تھی۔ —

شکراً للہ سعید۔ لیکن جہاں تک آپ کے اپنے عمل کا تعلق ہے آپ حنفی مسلک پر کاربند تھے۔ آپ اور آپ کے رفقاء جہاد کے بارے میں بعض لوگوں نے اقرار کیا تھا۔

ایں جماعت مسافرین پیچ مذہب ندارند و پیچ مسلک قیہ نیستند

(ترجمہ) یہ مسافر کوئی فقہی مسلک نہیں رکھتے اور کسی طریق کے پابند نہیں۔

جواباً مولانا اسماعیلؒ نے شیخ حضرت سید محمد نے اپنی شہادت سے ایک سال پہلے ۱۳۲۵ھ میں ایک خط ملایا اور کہنا کہ، آپ کی یہ تصریح تمام نورو مجاہدین کو بھی شامل ہے کیونکہ اعتراض سب کے بارے میں تھا اس سے حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے مسلک کی پوری وضاحت ہوئی؟

ایں فقیر و خاندان ایں فقیر و بلاد ہندوستان گناہ نیست الوف الوف انام

از خواص و عوام ایں فقیر و اسلاف ایں فقیر راے دانند کہ مذہب ایں فقیر با

عن جہ حنفی است و بالفعل ہم جمیع اقوال و افعال ایں ضعیف بر قوانین اصول

خفیہ و آئین ایشان منطبق است لہ

(ترجمہ) یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں۔ علم و فہمیں
لاکھوں آدمی مجھے اور میرے اسلاف کو جانتے ہیں کہ اس فقیر کا سلک باپ دادا
سے حنفی چلا آرہا ہے اور عملاً بھی اس عاجز کے تمام اقوال و افعال حنفی قوانین اور
ان کے طریقے کے مطابق ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب دہلویؒ کا بیان

حضرت مولانا عبدالحیؒ اور مولانا اہل شہید سے ۱۲۲۰ھ میں بوسہ قبر کے اختلاف کے
موقع پر مختلف سوال کیے گئے تھے حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے اپنی اور مولانا اہل شہید کی
طرف سے جو جوابات لکھے ان میں مرقوم ہے :

”قیاس را معتقد ام و در قیاسات واجتماعات متعلقہ مذہب حنفی ام“ لے
(ترجمہ) ”میں قیاسات کے مسائل میں قیاس کا قائل ہوں اور اجتماعی امور میں حنفی مذہب کا مقلد ہوں“
پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

”من بزمذہب حنفی مثل طحاوی و کرخی ام باسناد صحیح کاربندے شوم نہ
مثل صاحب اللیل یا بستم“ لے

(ترجمہ) ”نہیں امام طحاوی اور کرخی کی طرح صحیح طریق پر حنفی مذہب کا پابند ہوں نہ جاہل لوگوں کی طرح“

اعمال میں چار مذہبوں کی متابعت

جس طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حق کو ان چار مذہب میں نہر بتلایا
تھا اور ان سے نکلنے کو سواو اعظم سے نکلتا قرار دیا تھا۔ اسی طرح ان کا پورا خاندان اس اصول پر
کاربند اور مذہب اربعہ کی متابعت کا داعی رہا۔ مراد استقیم جس کی جمع و ترتیب میں مولانا عبدالحیؒ

لے الصواعق المانیہ ج ۲ طبع ۱۳۸۷ھ مطبع احمدی لے دیکھیے رسالہ اشاعت السنۃ النبویہ
مولانا محمد حسین ثبوتی جلد ۲ شمارہ ۱۸۸۲ھ لے فقہ الحنفیہ مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

اور مولانا اسماعیل شہید دونوں شامل ہیں۔ اس میں ہے :

”اعمال میں ان چلند بہوں کی متابعت جو اہل اسلام میں رائج ہیں بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جانا چاہیے بلکہ آپ کا علم تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے“
مولانا اسماعیل شہید ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

”جو مسئلہ کہ صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ثابت نہ ہو یعنی صحابہؓ کے وقت میں ایسا واقع نہ ہوا جو اس پر حکم ظہر کر وہ اجماع کہتے تو ایسی بات پر مبتدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے پھر وہ مجتہد بھی ایسا ہو کہ جس کا اجتہاد اُمت کے اکثر عاملوں نے قبول کیا ہو جیسے امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور قیاس بھی فاسد نہ ہو“

مجتہدین کی کوششوں کے ثمرات | مجتہدین کرام کی کوششوں سے شریعت محمدیہؐ کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ہر زمانے کا ہر

مسئلہ اپنے اصولوں کی طرف لوٹا اور اہل اسلام یہ کہنے کے حقدار ہوئے کہ شریعت محمدیہؐ وہ کامل نظام حیات ہے جس میں زندگی کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ یہ اصول کتاب و سنت کی وہ باریک راہیں تھیں جو مجتہدین پرکھیں اور صحیح یہ ہے کہ ان باریک راہوں میں ہر کوئی نہیں چل سکتا۔ مجتہدین اپنی کوششوں سے یہ درجہ پا گئے کہ انبیاء کرامؑ کی متابعت میں امت ان کی بھی اقتدا کرنے لگی۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :

فزون عربیہ کے استادوں اور اجتہاد کے اماموں اور علم کلام کے دانوں اور تہذیب اخلاق اور حکمت ایمانیہ والوں کی کوششوں سے باریک علم ظاہر ہوئے اور بزرگوں کو اسی کوشش کی وجہ سے علماء امتی کا بنیاد بنی اسرائیل

کے زمرے میں جگہ ملی ہے لیکن

مولانا اسماعیل شہیدؒ کے عقیدہ میں فقہاء کا دورہ فقہاء ایک الہی ہدایت

محق جس کے تحت اسلام ایک کامل دین کی صورت میں جلوہ گر ہوا کتاب و سنت کی باریک راہیں روشن ہوئیں اور فقہ نے ترتیب پائی۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

نوع انسانی کے امر و نہی کی تربیت میں بھی زلزلے اور طرقتی بدلا کرتے ہیں جس دورہ میں جو اہل کمال اپنے کمال کو پہنچتے ہیں وہ علم کہ ان کے دورہ کے مناسب ہیں انکے دلوں میں ڈال دیے جاتے ہیں اور ان کو انہی علوم کی تکمیل میں غلام بنایا جاتا ہے، پھر جب وہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک تربیت کی بنیاد رکھ دی جاتی ہے اور ایک نئی ہدایت کی بنیاد کو مضبوط کیا جاتا ہے مثلاً اس امت کے دوروں میں کا پہلا دورہ فقہاء کا تھا پھر تشکیم کا دورہ ظاہر ہوا اور اس کے بعد صوفیا کرام کا دورہ آیا۔ یہ تمثیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے ورنہ ادوار انہی میں منحصر نہیں تھے

صحابہ کے زمانے میں مسائل اتنے پھیلے ہوئے نہ تھے جتنے اگلے دور میں پھیلے۔ جوں جوں ضرورتیں بڑھتی گئیں نئے نئے مسائل سامنے آتے گئے اور ان موضوعات میں شریعت کی راہیں روشن ہوتی گئیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام میں کوئی کمی تھی بقدر کلام یہ ہے کہ ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ کی غیرت جن اہل کمال پر اتاری وہ فقہاء تھے اور یہی مولانا اسماعیل شہیدؒ کا مسلک تھا:

مجتہدین کے اجتہاد کا امتزاج بین اور تبع تابعین کے نہانے میں اس قدر جلوہ

ہوا کہ اس کا عشر عشر بھی مصابہ کرام کے زمانہ میں واقع نہیں ہوا تھا اور اس کمال والے خدا تعالیٰ کی غیرت اس مقام کے لوازمات میں سے ہے۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ ان لوگوں میں سے تھے جو کہتے تھے فقہ کی ضرورت نہیں حتیٰ یہ ہے کہ غیر منصوص مسائل میں ہر عامی کو تقلید مجتہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ وہ وہی بات بتائے گا جو اس کے ہاں دلیل سے ثابت ہے گو یہ شخص اس سے دلیل لینے یا اسے پرکھنے کی استعداد نہ رکھتا ہو۔

غیر منصوص مسائل میں تقلید مجتہد

حنفیہ کرام کے ہاں تقلید امام قرآن و حدیث کے مقابلہ میں نہیں غیر منصوص مسائل میں ہے یہی بات مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں :

”جب تک مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو تب تک مجتہد کی پیروی

اور تقلید کرے“

حضرت یزید احمد شہیدؒ اپنی پوری جماعت کے ساتھ آخر دم تک تقلید پر قائم رہے۔ آپ نے فرمایا :

”یہ وقت ترک تقلید کا نہیں ہے، ہم کو اس وقت کفار سے جہاد کرنا ہے۔

تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنے اندر تفرقہ و ناہمتی نہیں“

مولانا قاری عبد الرحمن پانی پتی کی شہادت

مولانا قاری عبد الرحمن پانی پتی صاحب نے حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا زمانہ پایا ہے اور

ان سے ملاقات بھی کی ہے۔ قاری صاحب لکھتے ہیں :

مولوی اسماعیل صاحبؒ کو ہم نے دیکھا۔ اہل سنت و اجماعت حنفی و محدث و غیرت کے

اس سے پتہ چلا کہ آپ گو مسلک حنفی تھے مگر محدث اور مفسر بھی تھے اس میں اشارہ ہے کہ اگر آپ کسی مسئلہ میں فقہ حنفی کی کسی خبری سے اختلاف کریں تو آپ اس علمی مقام پر ہیں کہ آپ کو اس کا حق پہنچتا ہے۔

نواب صدیق حسن صاحب کی شہادت

نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم ان محدثین کرام کے پورے گھرانے کے شغف رکھتے ہیں :
بل هو بیت علم الحنفیۃ
(ترجمہ) یہ حضرات دہلوی حنفی مذہب کے علم کا گھر ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم آپ کے عقائد کے بارے میں فرماتے ہیں :
عقیدہ اوسمہ موافق اہل سنت و جماعۃ است بہرچہ بہ نسبت اوسے گویند
محقق و موضوع است و وے بدال راضی نیست و ایں افتراء و کذب ہم در
حیات وے بروے کردند و وے از سبتر کرد و برال انکار کرد۔
ترجمہ آپ کے عقائد سب اہل السنۃ و الجماعۃ کے تھے۔ لوگ آپ کے ذمہ جو
عقائد لگاتے ہیں یہ سب من گھڑت اور موضوع باتیں ہیں۔ آپ ان سے ہرگز
راضی نہ تھے لوگوں نے یہ کذب و افتراء خود ان کی زندگی میں ان پر باندھا آپ
نے اس سے پوری طرح اظہارِ نیرازی کیا اور ان غلط عقائد کا انکار کیا۔
فقہ میں آپ کی عظیم مہارت کا ذکر آپ ان الفاظ میں کرتے ہیں :
اصول فقہ بر نوک زبان داشت و علم حساب در انگشتان قرآن و حدیث خود
محفوظ سینہ او بود و فقہ و متقول مشق و میریہ اور۔

اس بات کے ثبوت میں کہ آپ حنفی الذہب تھے نواب صاحب لکھتے ہیں کہ ترک

۱۔ احکمت فی ذکر اصحاب السنۃ ص ۵۷
۲۔ اتحاف النبلاء المستقین ص ۲۱۶
۳۔ ایضاً ص ۲۱۶

اور جناب الہی سے دعا کرنا اس کے پہنچانے کا طریق ہے اور یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے۔

پھر ایک مقام لکھتے ہیں :

جو چیز کہ اس وقت مفیروں اور محتاجوں کے حق میں زیادہ مفید ہو خالص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور اگر دعا بھی کرے تو بہتر ہے۔

فاتحہ کے لیے پُر تکلف کھانوں کی تعین اور پھر یہاں تک تعین کہ گوشت بکری کا ہو گائے کا نہ ہو یا دال ہو مگر اس میں ادرک ضرور ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے آج نیا طبقہ ختم اور ایصالِ ثواب کی ان اداؤں پر ہنستا ہے۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی وصیت ہی دیکھ لیجئے آپ نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے کھانوں کی کیسی عجیب فہرست تیار فرمائی :

فاتحہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ جمیع دیا کریں (۱) دودھ کا برف خانہ ساز اگر بمینس کا دودھ ہو۔ (۲) مرغ کی بریانی (۳) مرغ پلاؤ خواہ بکری کا ہو (۴) شامی کباب (۵) پراٹھے (۶) بالائی (۷) فیرنی (۸) اردو کی پھریری دال مع ادرک و لوازم (۹) گوشت بھری کچوریاں (۱۰) سیب کا پانی، انار کا پانی (۱۱) سوڈے کی بوتل۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ ایصالِ ثواب کے لیے کھانا کھلانے یا فاتحہ خوانی کے خلاف نہ تھے۔ آپ صرف رسموں کی پابندیوں کے خلاف تھے اور طرح طرح کے کھانوں اور ان کی اقسام کی پابندی کو بُرا سمجھتے تھے جو پابندی شریعت نے نہیں لگائی اسے اپنی طرف سے لگا لینا اگر شریعت میں دخل دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ التزام مالا یلزم اضافی بدعت ہے۔

۱۔ ایضاً ص ۶۳ ط ۹۲ ۲۔ ایضاً ص ۶۶ ط ۹۴

۳۔ وصایا شریف ص ۸ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور۔

فوت شدگان کو طعام سے فائدہ پہنچانا [حضرت مولانا اسماعیل شہید لکھتے ہیں:-
یہ بھی گمان نہ کیا جائے کہ فوت شدگان

کو طعام سے فائدہ پہنچانا اور ان کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ رسم کا پابند نہ ہونا چاہیے تاریخ اور دن اور طعام کی جنس اور قسم کی تعین کے بغیر جس وقت اور جس قدر کہ موجب ثواب ہو بجالائے اور جب میت کو نفع پہنچانا منظور ہو تو اسے کھانے کھلانے پر ہی موقوف نہ سمجھنا چاہیے اگر ہو سکے تو بہتر سے ورنہ صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے۔

چند الزامات کی وضاحت (باب استفسار کا ایک وقت)

سوال: ابھیت کے باب الاستفسارات کے ذریعہ شاہ اسماعیل شہید کے متعلق بہت سی باتیں کھلی ہیں اور بہت سے مشکوک و شبہات جو پہلے ذہن میں گھوم رہے تھے یا لوگوں نے مشورہ کر رکھے تھے مجھ پر واضح ہو گئے ہیں، میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے مولانا مرحوم کی پوری طرح سمجھنے کی پہلے کوشش ہی نہ کی تھی۔ یہ خیال ہے کہ شاہ صاحب کی مراد کلام کو سمجھنے میں اگر تھوڑی سی بھی توجہ اور محنت کی جائے تو کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔

اس سلسلہ میں براہ کرم دو اور باتوں کی بھی وضاحت فرمادیں۔ اس تفصیل سے اور بہت سے لوگوں کے شبہات بھی دور ہو سکیں گے اور قلم الزام لگانے والے علماء سُر کا جھوٹ بھی کھل جائیگا۔
مولانا اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

”ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے۔“ (توہید الایمان)
اس عبارت کے متعلق پانچ باتیں تفصیل طلب ہیں، ان کی وضاحت ہو جائے تو میرے

خیال میں بات صاف ہو جائے گی۔

۱۔ ہر مخلوق کے لفظ میں انبیاء علیہم السلام بھی آجاتے ہیں یا نہ؟ کیا مولانا اسماعیل دہلوی نے مراحت سے اس میں حضور پاک کو داخل کیا ہے؟ اگر نہیں تو سب سے پہلے اس بحث میں حضور کا نام لانے کی جرات اس انداز سے کس نے کی ہے؟

۲۔ چچا کو حقارت سے دیکھنا کیسا ہے جو مسلمان چچا کا کام کرتا ہو وہ مسلمانوں کی دینی برادری میں برابر کا شریک ہے یا نہ؟

۳۔ مذکورہ عبارت میں ذیل کے معنی حقیر کے ہیں یا عاجز کے کیا یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے سر تعزین کے لیے استعمال ہو سکتا ہے؟

۴۔ چچا اور دوسرے کسی اچھے پیشے والے شخص میں جو فرق ہے کیا وہ کسی وقت ختم ہو سکتا ہے؟ اور اللہ اور بندے میں جو فرق ہے کیا وہ بھی کسی وقت ختم ہو جاتا ہے؟

۵۔ کیف چچا بادشاہ کے سامنے جتنا کمزور اور عاجز ہے، بادشاہ خدا کے آگے اس سے زیادہ کمزور اور عاجز ہے یا اس سے کم عاجز اور محتاج ہے جتنا چچا اس کے آگے کمزور تھا؟ فقط والسلام مجاہد

اجواب ومنہ الصدق والصواب

۱۔ ہر مخلوق کا لفظ اپنے محرم میں انبیاء علیہم السلام کو بھی شامل ہے لیکن اس قسم کے حکم عام میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو مراحت سے داخل کرنا بے ادبی ہے۔

۲۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید نے اس بحث میں مراۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور پیغمبر کا نام نہیں لیا نہ ان کی یہ مروی وہ ایک حکم عام سے اللہ تعالیٰ کی بڑی بیان کر رہے ہیں۔

انبیاء کرام کے بارے میں اس طرح بات کرنے کی بے ادبی انھوں نے نہیں کی۔ نہ ان کے عقیدے کا کوئی شخص اس قسم کی بات کر سکتا ہے۔

۳۔ ہر مخلوق کے لفظ پھیلا کر اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر بحث لے آنے کی بجائے ادبی سب سے پہلے مولوی احمد رضا خاں نے کی تھی اور اب ان کے پیرو اس بات کو کھینچ کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لڑتے رہتے ہیں، ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مولانا احمیل شہید پر حضور کی بے ادبی کا الزام قائم کیا جاسکے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ مولانا مرحوم کی مخالفت میں وہ حضور کی بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہیں کیونکہ مولانا شہید کی اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی ہرگز تصریح نہیں۔ نہ کوئی سلطان اس قسم کی جبارت کر سکتا تھا۔ عموماً اذنان میں اس طرح کی جبارت پہلے بزرگوں کے کلام میں بھی سنت ملتی ہیں اور آج تک کسی شخص نے ان کے عدم کو پھیلا کر اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل نہیں کیا نہ اس محوم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث کرنے کی کہیں جبارت کی ہے۔

ستیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ ھ) نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا :

” الخلق عند اهل العرفه كالذباب والزنا بئر

كدود القز ” ۱

حضرت شیخ شباب الدین سرودی (۶۳۲ ھ) لکھتے ہیں :

” لا يكمل ايمان امرء حتى يكون الناس عنده

كالاباعرثم يرجع الى نفسه فيراها اصغر صاعز ” ۲

(ترجمہ) کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوا جب تک اس کے ہاں لوگ اونٹ کی ٹانگیوں

کی طرح نہ ہو جائیں پھر وہ اپنے نفس پر غور کرے اور اسے سب سے چھوٹا پائے۔

اب تک کسی شخص کو جبارت نہیں ہوئی تھی کہ اس حکم عام کو پھیلا کر اس میں انبیاء و اولیاء کو

بھی لے آئے ضد اور مخالفت میں یہ کہاں درست ہے کہ انسان ان عبارات میں انبیاء

پر بحث کرنے لگے۔ مولانا اسماعیل شہید نے بھی ایک عام بات بھی منکر افسوس کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اس عزم کی وسعت میں حضور پر بحث چھیڑ دی اور مولانا شہید پر الزام قائم کرنے کے لیے حضور اقدس کی ذات گرامی کا بھی احترام نہ کیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (۲۵ھ) کے ملفوظات میں ہے :

”ایمان کے تمام شوق تاہم خلق نر و او بچنیاں نمائند کہ شکے شتر“

(ترجمہ) ایمان اسی وقت مکمل ہوتا ہے کہ ساری مخلوق اس کے ہاں اونٹ کی جینگنوں کی طرح ہو جائے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں :

”مردم سپران آدم اند و آدم از خاک و خاک خوار و پست است تعز و ترفع او رابزودہ“

(ترجمہ) سب انسان اولاد آدم ہیں اور آدم ٹی سے تھے۔ مٹی خوار اور پست ہے۔ عزت اور بلندی اس کی فطرت نہیں۔

اس مقام پر کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے معاذ اللہ! انبیاء اور اولیاء کو خوار اور پست بتلایا ہے؟ بگڑ نہیں۔ کوئی مسلمان اس قسم کی گستاخی نہیں کر سکتا۔ بات سمجھنے کا سلیقہ چاہیے۔ اہل اللہ سے بدگمان ہونے اور لوگوں کو ان سے بدگمان کرنے کی تحریک بہت بُری حرکت ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

”تاہم دنیا و ہنگامی ہائے آن در نظر او خاک بود و اہل آن در دل او سنگ نمائند“

(ترجمہ) جب تک سب دنیا اور اس کی بڑائیاں اس کی نظر میں خاک اور اس کے رہنے والے اس کے دل میں مٹی کے ٹوٹوں کی طرح نہ ہو جائیں...

کوئی شخص اس قسم کی عبارتوں سے ان کے عموم کے سوا بے اہل اللہ پر اس قسم کے الزامات قائم کرے تو اس کی نیت اور آخرت کہاں تک درست ہو سکتی ہے اس پر آپ عذر فرمائیں۔
۲۔ چار یا کسی اور ادنیٰ پیشے کے کارکن کو سخاوت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں کوئی شخص معنی اپنے پیشے کی وجہ سے حقیر نہیں ہو جاتا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب خود بھی لکھتے ہیں :

”اگر کوئی چار یا مسلمان ہو تو مسلمان کے دین میں اسے سخاوت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے۔ وہ ہمارا دینی بھائی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

انما المؤمنون اخوة (بیشک سب مسلمان بھائی ہیں) ۱

لاکاش کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب اس لفظ کی تفسیر سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تقریر لایا
کی مولا بلا عبارت کو کھینچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک نہ لے جاتے۔ اس کا تصور بھی بڑی گستاخی اور بے لوثی ہے۔

۳۔ اس عبارت میں ذیل کا لفظ کمزور کے معنی میں ہے، حقیر کے معنی میں نہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ صحابہ کرام کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور کسی نے اس سے حقیر کے معنی مراد نہیں لیے۔ صحابہ کرام بدر کے دن کمزور تو تھے لیکن حقیر وہ کبھی نہ تھے۔ پس قرآن کریم میں صحابہ کے لیے ذیل کا لفظ کمزور کے معنی میں ہے، حقیر کے معنی میں نہیں۔

ولقد نصيكم الله ببدر وانتم اذلتم (پہلے آل عمران ص ۱۳)

(ترجمہ) اور بیشک اللہ نے تمہاری بدر کی لڑائی میں مدد کی تھی اور تم ذلیل (کمزور) تھے۔

اذلتم ذلیل کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہم سب عاجز اور کمزور ہیں۔ حدیث میں
میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اندازہ عظمت یہ تعلیم فرمایا ہے :

اذا قمت بين يدي فقم قيام العبد الذليل وما جنى

بقلم وجل ولسان صادق لہ

(ترجمہ) جب تو میرے حضور میں نماز کے لیے کھڑا ہو تو ایسے کھڑا ہو جیسے ذلیل (عاجز) غلام کھڑے ہوتے ہیں۔ ڈرتے ہوئے دل سے اور سچی زبان سے میری مناجات کر۔

۴۔ چار اور کسی بڑے آدمی کے مابین جو فاصلہ ہے وہ کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ دو انسانوں کے مختلف مراتب کا فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ حالات پیدا ہونے پر چند لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ کافر اور مومن کا فاصلہ بھی کافر کے ایمان لانے پر فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ چار ایک دن میں پیشہ بدل کر اس فاصلے کو مٹا سکتا ہے۔

۲۔ بندے اور خدا کے درمیان جو فاصلہ ہے اور خالق اور مخلوق میں جو فرق ہے وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ خدا کے مقبول بندے قرب خداوندی میں کتنے ہی کیوں نہ بڑھ جائیں۔ بندہ کبھی خدا نہیں ہو سکتا نہ کبھی اس میں خدائی صفات آجاتی ہیں۔ بندہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے وہ بندہ ہی رہتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے بندہ کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو جائے وہ خدا ہی رہتا ہے۔ خدا بندہ نہیں ہو سکتا اور بندہ خدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :

قوله قدس سرہ (هل الفناء البقاء موجب اتصاف السالك بالصفات الوجودية)

اقول الوجدان الصریح یحکم بأن العبد عبد ومان ترقی، والرب رب وامن ننزل، وامن العبد قط لا یتصف بالوجوب أو بالصفات اللازمة للوجوب ولا یعلم الغیب إلا ان ینطبع شئی فی لوح صدرہ، ولیس ذلک علما بالغیب انما ذلک الذی یکون من ذاته والا فلا نبیاء ولا اولیاء یعلمون لاحالة بعض ما یغیب عن العامة۔

۵۔ ایک چار بادشاہ کے سامنے آنا عاجز اور کمزور نہیں جتنا بادشاہ خدا کے آگے عاجز اور

کمزور ہے کیونکہ چار اور بادشاہ اس فرق مراتب کے باوجود انسان ہی ہیں اور ایک انسان دوسرے

انسان کے سامنے جتنا عاجز اور کمزور ہو سکتا ہے اس سے زیادہ ہر انسان اللہ رب العزت کے حضور میں کمزور اور اس کا محتاج ہے وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے ستغنی اور بے پڑا نہیں رہ سکتا۔ انسان ہر وقت خدا کا محتاج اور اس کی رحمت کا طلبگار ہے۔ ایک چھوٹا انسان کسی بڑے انسان سے کئی گھنٹوں اور دنوں تک بے پرواہ رہ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم ایک لمحہ کے لیے بھی باہر نہیں آسکتے۔

مولانا اسماعیل شہید ہی کہہ رہے ہیں کہ ہر فقیر و بادشاہ اللہ جل شانہ کے آگے اس سے کہیں زیادہ عاجز اور کمزور ہے جتنا کوئی چھوٹے سے چھوٹا آدمی بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے عاجز اور کمزور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خالق و مخلوق کے فاصلے کسی صورت میں عبور نہیں ہوتے۔ مولانا شہید کی عبارت میں لفظ ذیل سے حقیر مراد نہیں۔ یہ لفظ یہاں کمزور کے معنی میں ہے اور عربی میں یہ لفظ زیادہ تر کمزور کے معنی میں ہی آتا ہے۔

ایک اور شبہ کا اظہار

مولانا اسماعیل دہلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

”میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدے کے لائق

ہوں۔ سجدہ تو اسی پاک ذات کو ہے کہ نہ مرے کبھی۔ (تقویۃ الایمان ص)

اس سے گمان ہوتا ہے کہ مولانا اسماعیل حضور کے حیاتِ اہستہ ہی ہونے کے قابل نہ تھے

حالانکہ سب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ پیغمبروں کے اجساد ان کی قبور میں محفوظ رہتے ہیں، مٹی کے ساتھ

مٹی نہیں ہو جاتے۔ آپ سے گزارش ہے کہ مذکورہ بالا عبارت کی وضاحت

کرتے ہوئے ان چار باتوں پر خاص طور سے روشنی ڈالیں :

۱۔ کیا موت یا مرنے کا لفظ حضور پاک کے لیے استعمال ہو سکتا ہے ؟

۲۔ کیا مٹی کا لفظ حضور پاک کے ہم مبارک کے ساتھ بولا جاسکتا ہے ؟

۳۔ مٹی میں جلنے کا کیا معنی ہے؟ مٹی ہو جانا یا مٹی کے ساتھ پیوستگی اور ملنا؟

۴۔ مولانا اسماعیل شہید کے معتقدین حضورؐ کے قبر مبارک میں جانے سے کیا معنی مراد لیتے ہیں؟

اجواب ومنہ الصدق والصباب

مذکورہ بالا عبارت مولانا اسماعیل شہید نے اپنی طرف سے نہیں لکھی بلکہ آپؒ نے حضور اکرمؐ کی حدیث بیان کی ہے۔ صیغہ تکتلم (میں کا لفظ) تبارک ہے کہ یہ مضمون خود حضورؐ کی طرف سے بیان ہوا ہے اور یہ ساری بات حضورؐ کی حدیث کا خلاصہ ہے۔ حدیث کے مضمون کو مولانا شہید کی بات بٹھرانا علم و دیانت کے خلاف ہے۔

جو لوگ حضور پاکؐ کو سجدہ کرنا چاہتے تھے حضورؐ نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا تم میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے؟ انھوں نے کہا ”نہیں“۔ اس سے حضورؐ نے استدلال کیا کہ سجدہ اسی ذات کے لائق ہے جس پر کبھی موت وارد نہ ہو جس نے بھی موت کا ذاتاً چھنا ہے وہ ہرگز سجدہ کے لائق نہیں۔ یہ حضورؐ کے ارشاد کا خلاصہ ہے۔

مولانا اسماعیل شہید نے ہی نہیں شیخ عبدالحی محدث دہلویؒ نے بھی حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے :

”چوں من ازیں عالم بزوم وزیر پردہ شوم سجدہ کننید پس سجدہ برائے زندہ باید کرد کہ ہرگز نیرد“ ۱۷

(ترجمہ) جب میں اس جہان سے رخصت ہو جاؤں اور پردے میں چلا جاؤں تم سجدہ نہ کرو گے پس سجدہ اس زندہ کو کرنا چاہیے کہ کبھی نہ مرے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید کے عقیدے میں بھی مٹی میں جلنے سے مراد زیر پردہ چلا جانا ہی ہے

۱۷۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد باب فی حق الزوج علی المرأة مشکوٰۃ باب شرة النساء میں موجود ہے۔ مولوی احمد رضا خاں حبانے بھی اسے الزیۃ الزکیۃ ص ۱۹ پر نقل کیا ہے ۱۷ اشعۃ الکما ص ۲۵۳

مولانا شہید لکھتے ہیں :

ان آنکھوں سے ہر خیز وہ جسم پاک بظاہر مجبوراً مختلفی زیرِ خاک
 ملے تو ان کا ہے قاتل تمام کہ ہر پاک دل میں ہے اُن کا مقام ۱
 ۱۔ موت یا مرنے کا لفظ قرآن پاک نے بھی آپ کے لیے استعمال کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:
 اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اَنْهٰمْ مَيِّتُوْنَ بیشک آپ مرنے والے ہیں اور بیشک وہ بھی مرنے والے ہیں۔
 اَفَاَنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْفَلَبْتُمْ اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم
 عَلٰی اَعْقَابِكُمْ اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاؤ گے۔ ۲

حضرت اکرم کی وفات شریفہ پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا :

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ
 كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ ۳
 ترجمہ : تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا پس بیشک آپ فوت ہوا اور جو کوئی
 تم میں سے خدا کی عبادت کرتا تھا پس بیشک اللہ تعالیٰ زندہ ہے جو کبھی نہ مرے گا۔
 مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی ایک مقام پر فرماتے ہیں :

"موت ایسی چیز ہے کہ سوا ذاتِ باری عزوجل کے کوئی اس سے بچے گا" ۴
 پس آپ کی ذاتِ گرامی کے لیے موت کا لفظ استعمال کر لے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور
 مولانا سہیل شہید نے حدیث مذکورہ کی تشریح کرنے میں کوئی جرم نہیں کیا۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے مٹی کا لفظ مرتع طر پر استعمال فرمایا ہے۔ آپ
 نے فرمایا : "میں اور ابو بکر و عمر ایک مٹی سے بنے اور اسی میں دفن ہوں گے" ۵

۱۔ ثنوی، سک زندہ پ۲ الذریعہ ۳ ۳۵ پک آل عمران ص ۸۶ ص ۶۱ جلد ۶ ص ۸۶
 ۲۔ ملفوظات حصہ ۴ ص ۸۵ فتاویٰ ازیقہ ص ۸۵

ایک اور حدیث کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یوں لکھا ہے :

”پہلے دفن کنسید مرہیں بنری دسولت بیندازید برسن خاک را“ لے

ترجمہ : جب تم مجھے دفن کرو تو مجھ پر مٹی نرمی اور آرام سے ڈالنا۔

اس میں حضورؐ کا اپنا بیان ہے کہ مجھے بھی ایک دن قبر میں جانا ہے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی لکھتے ہیں :

حضرت عروبن عاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد صحیح مسلم سے ابھی گزرا کہ :

”جب مجھے دفن کرچو تو مجھ پر مٹی ختم ختم کر ڈالنا“ لے

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مٹی میں مدفون ہونا اسی

صراحت سے بیان کیا ہے جس صراحت سے مولانا اسماعیل شہیدؒ نے آپ کے لیے مٹی میں بطنے کا لفظ

استعمال کیا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :

لے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھو اس خاک میں مدفون شدہ بطی ہے ہمارا

ہے خاک سے تعبیر مزار پر شدہ کو نہیں معمور اسی خاک سے قبلہ بنے ہمارا لے

ہم سمجھتے ہیں کہ اس تعبیر میں جس طرح مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کوئی غلطی نہیں کی اس

طرح مولانا اسماعیل شہیدؒ نے بھی حضورؐ کے لیے یہ لفظ استعمال کرنے میں کوئی جرم نہیں کیا۔ پس آپ کی

ذات گرامی کے لیے مٹی کا لفظ استعمال کرنے میں بے ادبی کا کوئی پہلو نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک مقام پر لکھتے ہیں :

”مردم پسران آدم اندو آدم از خاک و خاک خوار و پست است تعززو

ترفع اور انبود“ لے

ترجمہ ہب بلوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے اور مٹی عاجز اور پست ہے، موت اور بلندی اس کے مناسب نہیں

۳۔ مولانا اسماعیل شہید کا عقیدہ مثنوی مسلک نور کے حملے سے پیش کیا جا چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ مٹی میں بننے کا معنی زیر پر و پلے جانے کے لیتے ہیں۔ مٹی میں مٹی ہو جانا نہ یہ آپ کا عقیدہ ہے نہ آپ نے تقریر الایمان میں یہ بات بھی ہے۔ مٹی میں بننے سے یہاں مراد مٹی سے احمق اور پستگی ہے۔

۴۔ انبیاء کرام کے اجساد مٹی میں مٹی نہیں ہوتے۔ یہ اجساد مطہر مٹی کے لیے بھی نہایت لائق احترام ہیں وہ ان کا استقبال کرتی بنے انھیں ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے آپ سے اور راقم الحروف نے مقام حیات میں اس کی پوری تفصیل کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا اسماعیل شہید کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا کہ انبیاء کرام کے اجساد وفات کے بعد مٹی ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو مٹی بنائے۔ یہی عقیدہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا ہے جیسا کہ اس عبارت سے واضح ہے

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں :

جواب : مٹی میں بننے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ غلط ہو جاوے جیسا سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں دوسرے مٹی سے ملائی و متصل ہو جائینی مٹی سے مل جانا تو یہاں مراد دوسرے معنی ہیں اور جبراً بنیاء علیم السلام کا خاک نہ ہونے کے مولانا حرم بھی قائل ہیں چونکہ مردہ کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کر لیتی ہے اور نیچے مردہ کی مٹی سے جبراً مع کفن ملائی (ملائی؟) ہوتا ہے یہ مٹی میں ملنا اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے کچھ اعتراض نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مولانا شہید اور مسئلہ امکانِ نظیر

مولانا اعلیٰ شہید اور مولانا فضل حق خیر آبادی میں مسئلہ امکانِ نظیر میں بحث چلی اس وقت اس کی تفصیل بیان کرنی پیش نظر نہیں صرف اس کا مفہوم بتلانا ہے اختلاف کے باوجود ان دونوں بزرگوں نے نہ ایک دوسرے کی تفسیق کی نہ تکفیر مسئلہ علمی تھا، علمی حدود میں محدود رہا ایسے اختلافات میں علماء میں بہت وسعت ہوتی ہے۔

مولانا اعلیٰ شہید کے ہاں امکانِ نظیر کا یہ مفہوم نہ تھا کہ ممکن ہے حضور صلی علیہ وسلم کے مرتبے کا کوئی اور انسان پیدا ہو جائے۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ نصوص میں آچکا ہے کہ آپ سید اولادِ آدم اور خاتم النبیین ہیں اور جمیع کمالات علیہ وعلیہ آپ پر ختم ہیں اب شرعاً ممکن نہیں کہ آپ کے مرتبے کا کوئی انسان پیدا ہو۔

مولانا اعلیٰ شہید کی مراد امکانِ نظیر سے صرف یہ تھی کہ وجود مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحت قدرتِ الہیہ ہے گو تحت تکوین نہیں کہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ آپ کا مثل پیدا کر سکے لیکن یہ اس کے اپنے فیصلے کے مطابق تکوین میں نہیں سوا ایسا کبھی نہ ہوگا۔

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی عدم تکوین کی شریعت نے خبر دی ہے شرعاً ان کا وقوع محال اور منتہی ہے مگر وہ ہیں تحت قدرتِ الہیہ اور خدا تعالیٰ انہیں وجود میں لانے پر قادر ہے۔ مثلاً حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر عذابِ عام کبھی نہ آئے گا۔ اس امتناع کے باوجود قرآن کریم میں ہے

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ

تحت ارجلکم اویلبسکم شیعا پٹ الانعام)
ترجمہ :- آپ کہیں کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے
اوپر سے بھیج دے یا تمہارے نیچے سے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قدرت الہیہ معدومات کو بھی شامل ہے اور ہر متغیہ بالیغیر تحت
قدرت الہیہ ہے وجود مثل متغیر دلائل شرعیہ سے متغیہ بالیغیر ہے پس یہ بھی تحت قدرت الہیہ
ہے سو یہ ممکن بالذات ہو گا۔ گویا کبھی نہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی خلاف خبر دے چکے ہیں۔
ہر متغیہ بالیغیر ممکن بالذات ہے اور ہر ممکن بالذات تحت قدرت الہیہ ہے۔ مسئلہ
امکان نظیر سے مولانا کی مراد صرف یہ ہے کہ وجود مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحت قدرت الہیہ
ہے گو تحت تکوین نہیں۔

حقیقہ کرام کے ہاں تکوین اور صفت ہے اور قدرت اور۔ تکوین کے بغیر وقوع لازم
نہیں آتا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۵ھ) اپنے رسالہ مبدا و معاد میں لکھتے ہیں

اما حق آنست کہ تکوین صفت حقیقہ علیحدہ است ماورائے قدرت و ارادہ۔

بیانش آنکہ قدرت بمعنی صحت فعل و ترک است و ارادہ تخصیص یکے اذین و دوطرف

قدرت است کہ فعل و ترک باشد پس رتبہ قدرت مقدم شد بر رتبہ ارادہ و تکوین

کہ ما اورا از صفات حقیقہ ہے دائم رتبہ او بعد از رتبہ قدرت و ارادہ

است کاراں صفت ایجاد آں طرف مخصص است پس قدرت صحت فعل است

ارادہ مخصص آں و تکوین موجب آں پس از تکوین چارہ نمود لے

ترجمہ :- حق یہ ہے کہ تکوین قدرت اور ارادہ سے علیحدہ ایک اور

صفت ہے اسے یوں سمجھئے کہ قدرت کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کی

صفت کا نام ہے ارادہ ان دو طرفوں میں سے ایک کی تخصیص کرتا ہے پس رتبہ قدرت ارادہ و تکوین ہر دو پر مقدم ہے تکوین کی باری قدرت اور ارادہ کے بعد ہے تکوین کا کام اس طرف تخصیص کو جو ارادہ نے کی تھی وجود میں لانا ہے۔
 حال یہ کہ قدرت فعل کے ہو سکنے کا نام ہے ارادہ دہونے اور نہ ہونے میں سے ایک کی تخصیص کرتا ہے اور تکوین اسے وجود میں لاتی ہے پس تکوین کے بغیر چارہ نہیں۔

مسئلہ امکانِ نظیر سے حضرت مولانا سید شہیدؒ کی مراد یہ تھی کہ وجودِ مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تحت قدرت الہیہ ہے گو تحت تکوین نہیں۔ اور ایسا کبھی نہ ہو گا۔

ایک سو سوہ اور اس کا ازالہ | بعض لوگ کہتے ہیں کہ وجودِ مثل آنحضرتؐ کو ممکن بالذات ماننا گواصولاً درست ہے لیکن

اس میں حضورؐ کی شان میں بے ادبی ہونے کا احتمال ہے ادب کا تقاضا ہے کہ یہ بات بھی نہ کہی جائے۔ جواباً گزارش ہے کہ جس طرح اولیاء کرام سے لوازمِ نبوت (جیسے نزول وحی۔ ماموریت اور مصمم ہونا) کی نفی ان کی تنقیص اور بے ادبی نہیں اسی طرح لوازمِ الوہیت (جیسے واجب الوجود ہونا، علم کا محیط ہونا، ہر چیز پر قادر ہونا، لاشریک ہونا) کی انبیاء کرام سے نفی بھی ان کی تنقیص اور بے ادبی نہیں۔ وجودِ مثل آنحضرتؐ کو ممکن بالذات اور متنع بالذات ماننے سے حضورؐ کی بے ادبی کا اتنا احتمال نہیں جتنا معدومات پر قدرت الہیہ کے شامل نہ ہونے میں ذات حق جلا و علا کی بے ادبی ہے اور گستاخی کا احتمال ہے۔ جہلا اپنے دغظوں میں یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ اب خدا میں بھی قدرت نہیں کہ آنحضرتؐ جیسا اور کسی کو پیدا کر سکے (معاذ اللہ) اللہ کی شان میں اس کلمی بے ادبی سے بچنے کے لیے امکانِ نظیر کو ممکن بالذات متنع بالذات مان لیا جائے تو اس میں عمومِ قدرتِ باری تعالیٰ اور ختمِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اسلامی عقیدے اپنی جگہ پورے محفوظ رہ جاتے ہیں۔

اس علمی مسئلہ میں آپ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اس اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کی تغلیط یا اسے گمراہ قرار دینا کسی طرح درست نہیں حضرت بیرمہر علی شاہ صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں :-
 ”مسئلہ امتناع نذیر میں اس مقام پر امکان یا امتناع نذیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود سے نہ تسویب و تغلیط کسی کی ذرقتین اعنی اسمعیلیہ و غیر آباد میں سے بیشکر اللہ تعالیٰ سیعہم۔ راقم سطور دونوں کو ماجر و مشاب جانتا ہے فانما الاعمال بالنیات و نکل امرء ما فوی لہ

مولانا اسماعیل شہید کے مخالفین کی اصولی غلطیاں

جو لوگ مولانا شہید کی عبارتوں میں مختلف قسم کے شبہات پیش کرتے ہیں ان کی اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ مولانا کی عبارتوں میں اپنے معنی داخل کرتے ہیں علم کا اصولی ضابطہ یہ ہے کہ مصنف کی مراد اس کی اپنی دوسری تصریحات کی روشنی میں ہی طے کی جائے یکطرفہ کاروائی کرنے سے علم کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

ان حضرات کی دوسری اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ مشرک و بدعت کے اس ماحول کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ہندو و انہ عقائد کے زیر اثر ان دنوں قائم تھا۔ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرتے ہی ہندوؤں کی دینی تہذیب کو اجماعاً مشروع کر دیا تھا۔ یہ تہذیبی اثرات مسلم معاشرے پر بڑی طرح اثر انداز ہو رہے تھے، مولانا شہید کی دینی محنت مسلمانوں کو ہندو و انہ عقائد اور ہندو تہذیب سے بچانے کے لیے تھی۔

ان حضرات کی تیسری اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ ان عبارات کو مولانا اسماعیل کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بیشتر عبارات قرآن و حدیث کے ترجمے ہیں یا ان کی تشریحات و مرادات۔ یہ حضرات اگر ان آیات و احادیث کو سمجھنے

کی کوشش کرتے تو یہ نزلہ عتاب مولانا پر نہ گرتا۔

ان حضرات کی چوتھی اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ اس قسم کی عبارات کیا پہلے بزرگوں سے بھی تو منقول نہیں۔ اگر یہ لوگ متعلقہ آیات اور احادیث کے تحت سلف صالحین کی تفاسیر قرآن اور تشریح احادیث کی طرف رجوع کرتے تو معاملہ یہاں تک طول نہ پکڑتا انھیں تپہ چل جاتا کہ پہلے بزرگ بھی وہ باتیں کہہ چکے ہیں جو انھیں سخت نظر آرہی ہیں۔

ان حضرات کی پانچویں اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ عبارات زیر بحث ہیں جن عقائد کو مخرج سمجھتے ہیں ان موضوعات میں وہ حضرت شہید اور ان کے ہم مسلک علماء کی دوسری صریح عبارات کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کوئی پیش کردے تو ان کا اعتبار نہیں کرتے علم کا تقاضا تھا کہ پیچیدہ عبارت کو صریح عبارت کے تابع کر کے مصنف کے عقیدے کا تعین کیا جاتا اور کوشش کی جاتی کہ مشابہت محکمت کے تابع رہیں اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔ البس منکم رجس رشید

ایک اہم گزارش

اس مختصر تحریر میں حضرت مولانا اسماعیل شہید کی زندگی قربانی اور اخلاص و عقائد کے بہت سے پہلو آپ کے سامنے آچکے ہیں اور یہ بھی آپ حضرات جانتے ہیں کہ بریلویوں کے عام حلقوں میں حضرت مولانا شہید کے بارے میں دن رات کیا زبان استعمال ہوتی ہے اور کون سا کفری عقیدہ نہیں جو حضرت شہید کی طرف منسوب نہ کیا جاتا ہو۔

بریلوی لوگ اس سلسلہ میں جو عبارات پیش کرتے ہیں اگر حضرت شہید نے ان میں وہ کفری معنی مراد نہ لیے ہوں جو یہ بریلوی حضرات ان کی طرف نسبت کرتے ہیں تو ان کفری معنوں کا بار بار تکرار اور حضرت شہید کی طرف ان کا انتساب کیا یہ کہیں خود تو گناہی رسول نہیں؟ ذرا اس پر بھی کسی وقت میں غور کیجئے اور تو اور مولانا احمد رضا خاں تھی سلیم کرتے ہیں :

”فقہہ کرام نے یہ فرمایا ہے کہ جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں سوا
پہلو نکل سکیں ان میں ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف تو
جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کفر کا پہلو مراد رکھا ہے ہم اسے کافر نہ کہیں
گے کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو۔“ لے
پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

”کتب فتاویٰ میں جتنے الفاظ پر حکم کفر کا جزم کیا ہے، ان سے مراد وہ صورت
ہے کہ قابل نے ان سے پہلوئے کفر مراد لیا ہو ورنہ ہرگز کفر نہیں۔“ لے

آپ غور کریں کہ مولانا شہید کی عبارتوں میں کفری پہلو مراد ہونا کیا واقعی قطعی اور صریح ہے مولانا
احمد رضا خاں نے اس کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ تبارہ ہے کہ ان عبارات میں کفری معنی ہرگز صریح
اور یقینی مراد نہ تھے مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :

”علمائے متطہین انھیں کافر نہ کہیں یہی ثواب ہے۔ وہ جواب و بیہفتی

وعلیہ الفتویٰ وهو المذهب وعلیہ الاعتماد وعلیہ السلام والسود

حضرت شاہ اسماعیلؒ پہلے بزرگ نہیں جن پر دنیا پرست علمائے انبیاء و اولیاء کی گستاخی
کی تہمت لگائی ہو آپ سے پہلے آپ کے نقشبندی سلسلہ کے بزرگ حضرت مجدد الف ثانیؒ پر بھی
اس قسم کی تہمتیں لگ چکی ہیں۔

شاہ جہان اور اورنگ زیب مالگیر کے عہد کے ایک عالم عبداللہ خلیلیؒ قسوری تھے۔
سلسلہ میں آپ جزئی ہند چلے گئے اور زیادہ عرصہ اورنگ آباد میں رہے۔ وہیں آپ نے سلسلہ
میں اخبار الاولیاء اور سلسلہ میں معارج الاولائیت لکھیں اور سلسلہ میں واپس قسور آئے۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جس علومتی سے شرک و بدعت کی مذمت کی تھی اس کا تناظر

تھا کہ علماء بدعت ان کے خلاف لاوا لگیں۔ عبداللہ خویشگی المعروف عبدی اس میں آگے بڑھے اور علماء بدعت کے ساتھ مل کر حضرت مجدد الف ثانی پر کفر کا فتوے لگایا۔

عبدی پر اپنے استاد شیخ نعمت اللہ لاہوری کے بھی اثرات تھے جو حضرت مجدد کے خلاف تھے۔ عبدی خالی صوفی شیخ برہان الدین برہانپوری شکاری اور اس کے پیر شیخ عیسیٰ سندھی سے بھی بہت متاثر تھے۔ شیخ عبداللطیف برہانپوری گو شیخ برہان الدین کو بدعتی کہتے تھے۔ مگر حضرت مجدد الف ثانی کے وہ بھی خلاف تھے۔ جناب اقبال مجددی لکھتے ہیں:-

لیکن انوس ہے کہ اس راسخ العقیدگی کے باوجود شیخ عبداللطیف برہانپوری حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور شیخ آدم بنوری سے نسبت رکھنے والے کو محمد اور زندقہ کہتے تھے اور ان کی اقتدا میں نماز ناجائز قرار دیتے تھے۔ عبداللہ خویشگی اپنی کتاب معارج الولايت میں امام ربانی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

چوں علماء عرب و عجم در رد او چہ استقامت فاشتہ اند و ایراد ہر چہ ارباب کلام سے کشید و بطل عبارت می انعامید برابر او یکے ازال اختصار می رود۔

کیا یہ وہی آدم ازہیں جو آج کل علماء بدعت سے علماء دیوبند کے خلاف نسی جباری ہے کہ علماء عرب و عجم نے حسام اکھر میں ان کی تکفیر کی ہے؟ کیا حضرت مجدد الف ثانی کی خلاف ہی شورش نہیں نہ پڑا گیا؟

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے رسالہ مبدا و معاد میں ایک بات کہی۔ اس پر علماء بدعت بگڑے۔ میر محمد نعمان بخشی نے آپ سے اس کی وضاحت بھی کرائی۔ مگر انوس کہ ایک شخص عبدالوہاب نامی جو اپنے آپ کو مرید شاہ جیلان کہتا تھا۔ گستاخانہ عبارتوں کا الزام دے کر ایک گمراہ کن استغفار مرتب کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس فتوے کا حاصل یہ تھا کہ نبی کی توہین کرنے والا کافر و زندقہ اور واجب القتل ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کہیں حضرت مجدد الف ثانی نے کسی نبی کی توہین کی ہے؟ جو شخص بھی تحقیق سے کام لے گا اسے اس کا جواب نفی میں ملے گا۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید پر جب اس قسم کی تہمتیں لگی ہوں گی تو وہ بھی کہتے ہوں گے۔
 نہ من تنہا درس سے غارتہ مست جنید و شبلی و عطار ہم مست
 حضرت مولانا اسماعیل شہید تو پھر بھی اچھے رہے کہ ان کے سب سے بڑے مخالف مولانا
 احمد رضا خاں کو بالآخر یہی کہنا پڑا کہ علماء و محاطین انہیں کافر نہ کہیں۔ اسی میں سلامتی ہے۔
 بریلوی حضرات سے گزارش ہے کہ وہ خواہ مخواہ ان عبارات میں حضرت مولانا شہید کی طرف
 کفری معنوں کی نسبت نہ کریں۔ اس جرات میں امت کی تفریق بھی ہے انبیاء و اولیاء کی گستاخی بھی
 اور آخرت میں روسیاء بھی۔ سو اس سے بچنا ہی چاہیے اسی میں سلامتی ہے۔
 مولانا ابوالحسن صاحب بھی تو آخر بریلوی ہی تھے وہ اگر اس انداز میں سوچ سکتے ہیں تو انکی
 سوچ سے مسلمانوں کو کیا پھر اتحاد کی گم گشتہ دولت نہیں مل سکتی۔ مولانا مرحوم نے مسلمانوں میں اتحاد
 کی فضا پیدا کرنے کے لیے ۱۹۵۵ء کو جو بیان دیا تھا۔ اسے ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔
 مولانا ابوالحسن نے فرمایا :

”مجھے کہا گیا ہے کہ میں معین طود پر بیان کروں کہ بریلویوں اور دیوبندیوں
 کے درمیان اساسی عقائد کے اعتبار سے کیا اختلاف ہے؟ سب سے پہلی بات تو
 یہ ہے کہ بریلی اور دیوبند دونوں جگہ ہر خیال اور ہر عقیدہ اور ہر مذہب کے لوگ
 موجود ہیں اس لیے بریلویوں اور دیوبندیوں کے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
 موضوع تقریر کا یہ عنوان ہی صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں بریلی اور دیوبند دونوں مقام
 ہندوستان میں رہ گئے، اس لیے پاکستان میں ان کے اختلاف کا سوال بے معنی
 ہے۔ اگر موضوع سے مڑو یہ ہے کہ بریلی کی دینی درسگاہ اور دیوبند کی دینی درسگاہ سے
 تعلیم و تربیت حاصل کرنے والوں کے نظریات و افکار کے اختلاف پر روشنی ڈالی
 جائے تو میں اعلان کیے دیتا ہوں کہ اساسی عقائد کے اعتبار سے دونوں مکتبوں کے

درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ بریلوی علماء حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ توہین کرنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور دیوبند کے علماء بھی پہلی طور پر اس کلیہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ دونوں سلسلوں کے علماء کے درمیان بعض عبادتوں کے متعلق رائے کا اختلاف ہے۔ بریلوی علماء دیوبندی علماء کی بعض تحریریں مرقعہ میں اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان تحریروں کے ظاہری معانی کو صحیح سمجھنے والا شخص گمراہ ہے۔ دیوبندی اپنے اکابر کی ان تحریروں کو قابل گرفت یا مورد تنقید خیال نہیں کرتے لیکن اصول و اساس میں بریلوی علماء سے سو فیصدی متفق ہیں۔ لہ

صلاح حال کی ایک موثر تجویز

سمجھ دار لوگ ماضی سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ رفتار زمانہ بتا دیتی ہے کہ عامۃ الناس نے کسی پہلی تحریک سے کیا اثر لیا ہے۔ ماضی سے آنکھیں بند کر کے مستقبل کے اندھیروں میں چلے جانا کوئی دانائی نہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے جب سے اہل السنۃ والجماعۃ کے دو ٹکڑے کئے ان کی اس تحریک پر اس پہلو سے بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس تحریک کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے۔ علمائے حق کے خلاف غلط پروپیگنڈا اب تک جاری ہے الزامات کی بھر مار ہے تحریف کا کوئی پہلو نہیں جو علماء حق کی عبارات میں نہ لایا گیا ہو۔ توہین رسالت کے اشتعال انگیز الزام سے مسلمانوں کے ان پڑھ طبقے کو بری طرح بھڑکایا گیا مگر فطرت کا فیصلہ دیکھئے کہ اس تمام کاروائی کے باوجود دونوں مسلک اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ دونوں کی مسابدہ میں اور ان کے مدارس ہیں۔ عامۃ المسلمین جو مذہبی جھگڑوں کو پسند نہیں کرتے اور انہی کی اکثریت ہے وہ بغیر کسی امتیاز کے ہر دو مسلک کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں اور جو لوگ یہاں سے جج پر جاتے ہیں انکی ننانوے فیصد اکثریت ائمہ حرمین کے پیچھے نماز پڑھتی ہے۔ پیغمبر پاک و ہند میں نماز جنازہ کے موقعہ پر آپ نے عام دیکھا ہو گا کہ عوام بلا کسی امتیاز کے ہر امام

کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔

کیا قادیانیوں کے بارے میں بھی کبھی اس قسم کی رواداری دیکھی گئی ہے قطعاً نہیں۔ قادیانی میتیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہو پائیں اس کے لیے ہم نے تحریکیں چلی دیکھیں لیکن اس قسم کا اعتقاد ہی فاصلہ آپ نے دیوبندی اور بریلوی جنازوں اور اماموں کے مابین کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

اس صورت حال سے یہی سمجھیں آتا ہے کہ علمائے دیوبند
صورتِ حال کا صحیح جائزہ | نے اور مسلمانوں کے عام پڑھے لکھے طبقے نے مولانا

احمد رضا خان کے اس اعلان تکفیر کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا۔ خان صاحب کے پیر و علماء جن باتوں کو اختلافات کہہ کر پیش کرتے ہیں عام پڑھا لکھا طبقہ انہیں الزامات سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا اُنہیں اسے تفریقِ بین المسلمین کی ایک مذموم کوشش کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی بریلوی اختلافات کی وجہ سے آج تک کسی عدالت میں کوئی نکاح خفیہ نہیں ہوا اور نہ دیوبندی بریلوی مسلمانوں کے اس قسم کے اختلافات سے کہیں رشتے ٹوٹے ہیں اور نہ کسی شہر میں ہم نے دیوبندیوں اور بریلویوں کے علیحدہ علیحدہ قبرستان دیکھے ہیں اس کا حاصل اس کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا احمد رضا خان کی تحریک تکفیر عالمی اور ملکی سطح پر فیل ہو چکی ہے اور بریلوی علماء کی تمام تر کوششوں کے باوجود عام مسلمان مولانا احمد رضا خان کے اس فتویٰ تکفیر کو رد کر چکا ہے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم علماء دیوبند ہوں یا بریلوی عوام ہر دو کو اہل السنۃ والجماعہ ہی سے سمجھیں۔

اصلاحِ حال کی مختلف کوششیں | مولانا احمد رضا خان کے قریب کے لوگوں
میں اس صورتِ حال کا احساس پہلے مولانا

عبدالعظیم صاحب صدیقی کو ہوا۔ آپ نے مبلغ اسلام کی حیثیت سے مختلف افریقی ممالک اور جزائرِ غرب الہند وغیرہ کے دورے کیے۔ باہر کی دنیا کو قریب سے دیکھا اور مسلمانوں کی عدالت ان کے سامنے ایک ضرورت بن کر ابھری۔ نیو کاسل جنوبی امریکہ کے مولوی

قاسم سیما، کپ ٹاون کے مولانا قطب الدین صدیقی، ڈبرن کے مولانا عبدالحی عمر جی، ٹرنی ڈاڈ کے مولانا آدم جی، سوری نام کے حاجی گلاب دین اور جزیرہ باربیڈوس کے مولوی یوسف اور برٹش گھیانہ کے دینی حلقوں سے پوچھیے کہ مولانا عبد العظیم صدیقی کس طرح ہر جگہ دارالعلوم دیوبند اور علمائے دیوبند کی علمی منزلت اور خدمات حدیث کا کھلے بندوں تذکرہ کرتے رہے انہیں سننے اور دیکھنے والا ہر شخص محسوس کرتا تھا کہ وہ مولانا احمد رضا خاں کی تکفیر سے کلیتہً بیزار ہو چکے ہیں۔ مولانا عبد العظیم کے داماد فضل الرحمن صاحب بھی اسی عقیدہ پر چلے ان کے خطوط جن میں انہوں نے بریلویوں کے شوق تکفیر کی مذمت کی جنوبی امریکہ کے سفر میں کئی ہماری نظر سے بھی گزرے ہیں۔ سیاست کا بُرا ہو کہ اس نے مولانا عبد العظیم کے بیٹے کو پھر مولانا احمد رضا خاں کی لائن پر ڈال دیا جس سے ان کے والد صاحب اتر چکے تھے۔

پاکستان بننے کے بعد مولانا ابوالحسنات محمد احمد نے کچھ اس طرف توجہ کی ان کا بیان آپ روزنامہ نوائے پاکستان کے حوالہ سے ملاحظہ فرما چکے مگر افسوس کہ ان کے بعد ان کے بیٹوں کو بریلوی قیادت میں آگے نہ آنے دیا گیا اور ان کی بجائے ان کے بھتیجے مولانا احمد رضا نان کی لائن پر چل کر پھر سے تکفیر کے سگنل دینے لگے۔

بھیرہ کے پیر کرم شاہ صاحب کا تردیدی بیان | پیر کرم شاہ صاحب بھیڑی
چند دنوں کے لیے مہر گئے

تھے۔ علامہ ازہر کو انہوں نے قریب سے دیکھا تھا انہوں نے کچھ مہمت کی اور مولانا احمد رضا خاں کے اس فتوے کی پرزور تردید کی جو انہوں نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خلافت لکھا تھا کہ مولانا (معاذ اللہ) ختم نبوت کے قائل نہ تھے۔ پیر کرم شاہ صاحب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

مولانا احمد رضا خاں کا یہ الزام پرورد غلط فتویٰ انکی کتاب حسام المؤمنین کے ص ۶ پر موجود ہے مولانا احمد رضا خاں نے اس میں حضرت مولانا محمد قاسم کی کتاب تحذیر الانس سے مطلق عبادت لے کر انہیں ماکر ایک عبارت بنائی ہے حالانکہ یہ عبارت اس طرح تحذیر الانس میں نہیں ہے۔ یہ عبارت اس طرح اس لیے جوڑی گئی کہ اس پر فتوے تکفیر آسانی سے آتا جا سکے۔

حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مستی بہ تخذیر الناس کو متعدد بار غور و قائل سے پڑھا اور برابر نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔ علماء حق کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوة و سلام قشربہات سے ہے اور اس کی صحیح معرفت انسانی حیلہ امکان سے خارج ہے لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ نادر تحقیق کئی شہر و چشموں کے لیے سرمہ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ رہے فریقگان حسن مصطفویٰ تو ان کے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی وارفتگیوں میں اضافہ کا ہزار سامان اس (تخذیر الناس) میں موجود ہے۔

بریلوی علماء عام طور پر اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ پیر کرم شاہ صاحب کا تعلق مشرق پنجاب سے ہے جیسے خواجہ محمود صاحب تونسوی، حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سالوی، جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی۔ ان حضرات نے علماء دیوبند کی تکفیر میں مولانا احمد رضا خان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ علماء دیوبند سے اپنے رد وابط قائم رکھے اس لیے پیر کرم شاہ صاحب کی تحریرات ہم پر حجت نہیں ہیں۔

پیر کرم شاہ صاحب دیوبندی بریلوی ہر دو طبقوں کو اہل السنۃ والجماعۃ میں سے سمجھتے ہیں ان میں قطعی تفریق کے قائل نہیں چنانچہ ایک مقام پر تفریق ملت کا المیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اس باہمی اور داخلی انتشار کا سب سے المناک پہلو اہل السنۃ والجماعۃ کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے

۱۔ ہم نے پیر کرم شاہ صاحب کے اس خط کا عکسی فوٹو شرح تخذیر الناس کے مقدمہ میں ص ۲۵ اور ص ۲۶ پر دے دیا ہے۔ پیر صاحب کا غلط پانے والے اس کو اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ تخذیر الناس کی یہ شرح کتبہ ضعیفہ کی مسجد گرجاؤں نے شائع کی ہے اور کتبہ ختم نبوت اردو بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔

اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی صفاتی حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریات
دین میں کلی موافقت ہے۔^۱

مولانا عبدالستار صاحب نیازی نے بھی اتحاد کا ایک فارمولہ پیش کیا تھا اس میں
انہوں نے مرتجح طور پر لکھا تھا کہ علمائے دیوبند کی عبارات کا وہی مطلب مراد لیا جائے جو
انہوں نے اپنے عقائد کی وضاحت میں المہند علی المہند میں لکھ دیا ہے۔ اس بات
کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ ان عبارات کا جو مطلب مولانا احمد رضا خان نے حسام
المحرین میں لکھا اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ اور تصنیف را مصنف نیکو کند بیان کے اصول کے
مطابق علماء دیوبند کی عبارات کا وہی مطلب مراد لیں جس کی خود انہوں نے المہند میں وضاحت
کر دی ہے۔ یہ بات کسی طرح لائق قبول نہیں کہ عبارت کسی کی ہو اور اس کا مطلب کوئی دوسرا
شخص بیان کرے خصوصاً جب کہ مصنف خود اپنی مراد واضح کر چکا ہو۔

افسوس کہ علماء رسو نے مولانا عبدالستار نیازی کی اس تجویز کو بھی ٹھکرا دیا اور جب بھی
ان میں کوئی شخص حقیقت حال کی تائید کیلئے اٹھا انتشار پسند علماء رسو اس کے اٹے آ گئے۔
جب تک علماء اختلاف کے موقع پر ایک دوسرے کو اس کی بات کی توجیہ و تشریح کا حق دیے دے
مسلمانوں میں اتحاد من حیث الاجتماع کسی نہ کسی درجے میں باقی رہا ہے دیوبند اور محدوں کے
حوصلہ پست رہے لیکن جب سے تعصب نے شدت اختیار کی نہ تو آپ کے سامنے ہے کہ شیطان
دن دہائے بڑی کھیل رہا ہے اور کوئی شخص اس کے پاؤں میں بیڑی ڈالنے والا نہیں ہے۔

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق بات واضح کر دی ہے، جو شخص نیک نیتی سے اس کتاب کو پڑھے گا،
وہ کبھی اہل حق سے بدگمان نہ رہے گا یہ ناچیز کوشش ان الجھے ذہنوں کو قریب کرنے اور شیرازہ
گت کو یک جا کرنے کے لیے مخلصانہ صدا ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس پر لبیک کہیں
خالد محمود عفی عنہ حال مقیم مانچنٹر

ہو جس پر عبادت کا دھوکا، مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص حسد کا حصہ ہے، بندوں میں اُسے تقسیم نہ کر

ایک روز مولانا عبدالحی صاحب نے حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی خدمت میں عرض کیا مجھے سلوک الی اللہ کی تعلیم کیجئے۔ نمازیں حضور قلب کی استدعا کی جیسا کہ صحابہ کی نمازیں ہوتا تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا نیند احمدؒ سے رجوع کرو آپ حضرت تید صاحبؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ایک رات اچانک دھوکا حکم دیا اور نماز کا امر فرمایا۔ نمازیں ایسے مشاہدہ جلال میں غرق ہوئے کہ کچھ پوچش باقی نہ رہا۔ مولانا عبدالحی صاحب نے نماز کے فوراً بعد تید صاحبؒ کی بیعت کر لی اور زندگی بھر نماز کا لطف اٹھاتے رہے آپ نے اس کا ذکر شاہ اسماعیل صاحبؒ سے بھی کیا۔ شاہ صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ نماز کا یہ مقام خوش قسمت لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ نماز میں کسی اور طرف دھیان نہ باندھے ہر تن بہت خدا کی طرف الگائے کسی دوسری طرف صرف بہت نہ کرے۔ حضرت تید احمدؒ شہیدؒ نے یہ بات بیان بھی کر دی جسے حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے صراطِ مستقیم کے دوسرے باب میں نقل کر دیا ہے تقارین کے لیے یہ نعمت عظمیٰ ہے جو مکمل کر سامنے آگئی لاکھوں انسان نماز کی لذت سے آشنا ہوئے جن کی قسمت میں یہ نماز نہ تھی اسے یوں لے اُٹھے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ہاں نماز میں نبیؐ کا خیال آنا نماز کی آفت ہے وہ خیال آنے اور خیال باندھنے میں فرق نہ کر سکے۔ غلامی حق کے خلاف الزامات میں یہ اُن کا ناشتہ ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ خُصُوصاً عَلَىٰ سَيِّدِ الرَّسُولِ
خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ أَمَّا بَعْدُ فَأَنَا مَيِّخُشَى اللَّهِ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءِ وَأَفْضَلِ الدُّعَا
دُعَاءِ الشُّهَدَاءِ فَإِنَّهُمْ الَّذِينَ قَتَلُوا لَنْكُونُ كَلِمَةً اللَّهُ هِيَ الْعِلْمُ

علماء کرام کی کاوشوں اور قربانیوں سے دین کی عمارت قائم اور ان کے خطبہ و فتوے سے
دین کی شوکت دائم ہے انبیاء کی وراثت صمیم و دینار نہیں ان علماء حق کا وجود ہے جو احکام
الہی کے امین اور تشریح ربانی کے مسند نشین ہیں۔ تاہم انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دین کا مغربی
معرفت پر ہی کھولا جاتا ہے اور وہی حکمت سادہ کی اسرار کی دولت پاتے ہیں اور یہی وہ لوگ
ہیں جن کی زندگی خشیت الہی کے جلو میں ظاہر ہوتی ہے اور یہی حقیقت میں علماء ربانی ہیں۔
جو دین کے احکام و رموز کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی حقیقی لطافت پاتے ہیں اور اپنی توجہ
باطنی سے اپنے علم و عقیدت کے دل گماتے ہیں

سلسلہ نبوت کے ختم ہونے پر ولایت کا دروازہ پوری وسعت سے کھلنے لگا اور اللہ
کی پیہواروں پر اتاری رہی اور اس اُمت کے ہزاروں نفوس قدسہ تجلیات ربانی کی لہروں
میں پسٹ کر اس مقام محبت میں داخل ہو گئے جس میں سالک اپنی ذات میں فنا اور خدا
کی ذات سے بقا کی دولت پاتا ہے اس بنا کی دولت پانے والوں کو مردہ نہ کہودہ زندہ
ہیں گو تم ان کی زندگی کا شور نہیں رکھتے۔

انہی خوش قسمت اولیاء اللہ میں حضرت سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیل محدث دہلویؒ
بھی تھے۔ یہ بزرگ ہیں جو عرفان و علم کی اقصاء گہرائیوں میں اتر کر قربانیوں سے اپنی تباہ گین کر
چکے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ناز کے مقام توحید کی لذت بخشی تھی اور ان کی ناز اتنی اونچی تھی کہ
شیطان سٹ بنا کر رہ گیا۔

اولیاء کرام کی بڑی دولت ولایت ہے اور ولایت اللہ تعالیٰ سے محبت اور دوستی
کا وہ تعلق ہے جس پر یہ حضرات جم جاتے ہیں۔ ان کی ہمت مقصود پر توجہ جمانا ہوتی ہے اور ان
کی ہمت برہنہ کو اللہ کے سامنے لانا ہوتی ہے ان حضرات کی پوری زندگی رضائے الہی کی طلب
تھی اور اسی کا اثر تھا کہ ناز کا مقام توحید ان پر کھلا اور یہ سب حضرت شاہ عبدالعزیز
محدث دہلوی کا فیض نظر اور اثر محبت تھا۔

مجاہد شہید حضرت سید احمد کے ان روحانی مقامات و ارشادات کو ان کے خلفائے
قلبید کہ مصرع مستقیم انہی روحانی اناضات اور باطنی اصلاحات کا مجموعہ ہے۔ مقدمہ
باب اول اور باب چہارم حضرت شاہ اسماعیل کا تحریر کردہ اور باب دوم اور
باب سوم حضرت مولانا عبدالغنی دہلوی کا تحریر فرمودہ ہے اور یہ دونوں
حضرات خاتم احمدین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔
کتاب بظاہر مولانا اسماعیل شہید کی طرف منسوب ہے اور اسی عام شہرت کے

حضرت

سید محمد شہید

کا

مقام ولایت

تحریر

شاہ اسماعیل شہید



باعث کتاب زیر نظر میں جا بجا اس کی نسبت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طرف کی گئی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مذہب ان کی کتاب سے نہ اس کی خاص زیر بحث عبارت ان کی تقلید کردہ ہے۔ یہ عبارت باب دوم میں ہے جو حضرت مولانا بعد اعلیٰؒ نے تقلید کیا تھا اور جو بھی کتاب ان دونوں کے شیخ طریقت حضرت سید احمدؒ کے اصلاحی ارشادات ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ بحث نماز کے تمام توحید کو سمجھانے کے لیے ایک علیہ الہی ہے۔ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ حضرت شیخ کی مراد بیان قارئین پر کھل جائے اور وہ نماز کے مقام توحید کو باک اس کے فرائض اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگیں۔ اور قرب الہی کی دولت خود ان کی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جائے۔

کتاب صراط مستقیم اور اس کی یہ عبارت شہرت عام میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ حضرت شاہ اسماعیل کے عقائد و نظریات پر سند اور جزئیات بھی یہ قارئین کو دی جائیں۔ جو کہتا ہے ان اولیاء اللہ کے خلاف ہے بنیاد اور خلاف مراد بایں کہنے والے اس میں اپنے دوسروں سے شفا پائیں۔ ان اربید الاصلاح و مانتو فیغفر اللہ باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

حضرت شاہ اسماعیلؒ کا رسالہ کے بارے میں عقیدہ

بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں باقی سارے مراتب اس سے نیچے ہیں۔
مولانا اسماعیل شہیدؒ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بھی مانتے تھے آپ اکابر کہتے ہیں :-
سو اول ہی پیدا ہوا ان کا نور
الہی ہزاروں درود سلام تو بھیج اس پر اور اس کی امت پر تمام
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں :-
سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے ان کے بڑے بڑے معجزے دیکھے انہی سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہی کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی۔
پھر لکھتے ہیں :-

”ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر آپ سب سے زیادہ قائم اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں۔“
اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر کا درجہ بڑے بھائی کے برابر قرار دینا بالکل کفر ہے آپ کا مرتبہ تو سب سے بڑا ہے علم سیکھنے میں سب آپ کے محتاج ہیں پس کسی کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی برابر نہیں کر سکتا۔ آپ لکھتے ہیں :-

دین کی سب باتیں خدا نے اپنے رسول کو بتلا دیں۔
آپ کا علم تمام جان میں پھیلا ہوا ہے۔
ان کفریات سے یہ بات دونوں روشن کی طرف واضح ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت بزرگ تھے اور حقیقت میں انہی جیسے بزرگوں پر نماز میں مقام توحید کھلتا تھا۔ حضرت مولانا حضورؒ کثرت سے درود و سلام کے قائل تھے۔ ہم حضرت مرحوم کے اس شعر پر اس تعارف کو ختم کرتے ہیں۔
الہی ہزاروں درود و سلام تو بھیج اس پر اور اس کی امت پر تمام

نماز کا مقام توحید

نماز کی اہمیت

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، واللہ خیر لمعاشر کون

کلمہ شہادت کے بعد اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے یہ ایک روحانی عمل ہے جس سے انسان بتدریج خدا تک پہنچتا ہے، نماز بندے کو خدا سے ملاتی ہے اور بندہ نماز میں خدا سے مناجات کرتا ہے۔ سارا دن اپنے دنیوی کاموں میں گزرتا تھا اس میں صرف نماز کی گھڑیاں ہیں، جن میں وہ مالک حقیقی کے آگے سر ابراہیم دنیاز حاضر ہے اور اپنے پیدا ہونے کا حق ادا کر رہا ہے۔ یہی چند لمحات ہیں جن کی خاطر انسان کو خلقت کی قبا پہنائی گئی تھی

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ﴿۱﴾ الذاریات

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ مجھے بچائیں، میری عبادت کریں۔ عبادت اگر واقعی عبادت کے طور پر ہو تو بندہ ان گھڑیوں میں اپنے مقصد حقیقی کو پالیتا ہے اور پھر اس کا فیضان اس کی پوری زندگی پر پھیلتا نظر آتا ہے یہ بندہ مومن کی نماز ہے جس نے اسے قائم کر لیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے ضائع کیا اس نے دین کی عبادت گرا دی۔

نماز کے کچھ آداب ہیں یہ وہ طریقے ہیں جن سے نماز ادا ہوتی ہے، بہترین طریق نماز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے پھر نماز میں نماز کے مقامات ہیں یہ بندہ مومن کا تدریجی عروج ہے۔ پھر نماز کے کچھ ثمرات ہیں یہ اس کا وہ فیضان ہے جو پوری زندگی پر پھیلتا ہے اصولاً

یہ الہی یاد ہے اور مالک کے حضور میں غلام کی حاضری ہے مالک کریم قرآن کریم میں ارشاد فرمائیں
اقم الصلوٰۃ لذكریٰ ۳ طہ ج۔ اور نماز قائم رکھ میری یاد میں۔

نماز سے مقصود اعظم خدا کی یاد ہے اور نماز سے غفلت خدا سے غافل رہنا ہے نماز کے
بغیر خدا کے آگے جھکنے کی کوئی راہ نہیں۔ وہی مومن فلاح پاتے ہیں جو نماز میں مالک کے آگے
جھکنے والے ہوں۔

قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوٰۃم خاشعون ۳ المؤمنون
کامیاب ہو گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں جھکنے والے ہیں
مومن کا خشوع و خضوع اور سجدہ و رکوع اسے روحانی عروج بخشتے ہیں کچھ
عرصے کی مشق اور اقامت اسے مقام نماز سے آشنا کر دیتی ہے بندہ جتنا خدا کے آگے
گمنا ہے اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی اٹھاتے ہیں وہ جتنا عبدیت کا اقرار اور بندگی کا اظہار
کرتا ہے اسے اتنا ہی سرفراز فرماتے چلے جاتے ہیں۔ اور ان مقامات قرب کی کہیں
انتہا نہیں۔

جو گرے ہیں تیری راہ میں وہی دراصل میں منجمل گئے

حدیث میں ہے: اقرب ما لکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ۔ بندہ اپنے
رب کے سب سے زیادہ نزدیک حالت نماز میں ہوتا ہے۔ وہ جتنا جھکے دل سے حاضری
دے قرب الہی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:
واستجبوا لربکم (۳۱) اعلیٰ۔ اپنے رب کو سجدہ کر اور قرب میں بڑھتا چلا
بندہ سجدے میں اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ حکم ہوا کہ اس میں تو
زیادہ سے زیادہ بڑھتا چلا جا یہی تیرا اقترب ہے۔

یہ تدریجی ترقی اور عروج کی مختلف منازل نماز کے روحانی مقامات ہیں۔ نماز اس
عروج کا زینہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الصلوٰۃ علی الخلق یومئذین

نماز مومنوں کی معراج ہے۔ اور خشوع اس ذرینہ پر چلنے کی رفتار ہے۔ جتنا خشوع زیادہ ہوگا روحانی عروج کی رفتار اتنی تیز ہوگی۔

خشوع کے معنی اللہ رب العزت کے آگے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا ہے، چہرے آنکھیں یہاں تک کہ آوازیں بھی اللہ رب العزت کے آگے پست ہوتی ہیں اور خشوع کی نسبت اللہ تعالیٰ نے آوازوں کی طرف بھی کی ہے۔

و خشعت الاصوات للرحمن فلا تسع الا همسا

ترجمہ: اور وہ گیس آوازیں جن کے حضور میں پھر تم کانوں کان کی سی آواز کے سوا اور کچھ نہ سن پاؤ گے۔

چہرے، آنکھیں، سر اور جملہ اعضا خدا کے آگے جھکتے اور خشوع کا مصدر بنتے ہیں اس نیاز مندی کا مرکز مومن کا دل ہے اور خشوع اصولاً دل کی صفت ہے۔ دیگر سب اسناد بنی اس کے تابع ہیں۔ قرآن کریم نے قلوب کو اللہ کے آگے جھکنے والا فرمایا اس کے ثمرات ہیں کہ سر بھی اس کے آگے جھکنے لگتے ہیں اور یہ اس کے مقامات ہیں کہ خیالات ادھر ادھر بھٹکتے نہیں ایک مقصود پر جم جاتے ہیں۔ یہ ایک خدا کی عبادت ہے اور توحید کے اسی آئینہ میں رب العزت کا جلوہ نظر آتا ہے اور اسلام کا چہرہ کھلتا ہے۔ دل اللہ تعلق کے آگے جھکیں یہی مرد مومن کی منزل ہے قرآن کریم میں ہے:

الْمُيَانُ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

ترجمہ: کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں پر کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے گڑ گڑا

اٹھیں اور جو اترا ہے سچا دین اس کے لیے جھک جائیں۔

نماز کے ثمرات کے سلسلے میں بیان فرمایا:

واقم الصلوة ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر ولذكر الله أكبر

واللہ یعلم ماتصنعون۔ ۲۱ الکبیر ع ۵

ترجمہ : اور قائم رکھ نماز بیشک نماز بے حیائی اور بُری بات سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے اور اُسکو خبر ہے جو تم کہتے ہو یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لیے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لیے کافی ہو جائے بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے، بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی تاثیر دوا ہے۔ جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا بُرائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الہی میں اپنی بندگی فرمانبرداری خضوع اور تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے۔ مسجد سے باہر اگر بھی بد عہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو گویا نماز کی ہر ایک ادا نمازی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ ادبندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہے اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منہ کرتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہوگا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو، کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اُٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان نماز ادا کرتے وقت قرأت قرآن یا دعا و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا اور اسی قدر اس

کی نماز برائے لوگوں میں مؤثر ثابت ہوگی۔ (تفسیر فوائد القرآن لعلاتر العثماني ص ۵۲)
 نماز کے ثمرات نماز کے مقامات پر مرتب ہوتے ہیں عبادت کا ادب یا مقام یہ ہے کہ
 گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہو اور یہ نہیں تو کم از کم اتنا اعتقاد تو ساتھ ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے
 اگر یہ بھی نہیں تو تیری نماز فقط ایک رسم ہوگی عبادت نہیں۔ نماز کی ابتداء نیت باندھنے
 سے ہوتی ہے اور نیت یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو خدا کے حضور میں حاضر کرے نیت میں ضروری
 کسی اور طرف نہ ہونی چاہیے یہ اخلاص فی العبادت کے خلاف ایک بہت بڑی عقادی
 آفت ہے قرآن کریم عبادت کے مقام توحید کو یوں بیان کرتا ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ - حنفاء لله وبقیہ الصلوٰۃ
 وعلیہم السلام ذالک دین الیقینہ۔ نیت البنیۃ

ترجمہ: اور ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت کریں اسی کے واسطے بندگی
 خالص کر کے۔ اسی کے لیے یک رخ ہو کر اور قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ
 اور یہی راہ ہے مضبوط لوگوں کی۔

حضور اکرمؐ نے نماز کے مقام توحید کو یوں بیان فرمایا :
 ان تعبدوا الله کانک تراء فان لم تکن تراء فانک یراء
 تو اس طرح خدا کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور تو اسے دیکھ
 نہ پائے تو اس طرح عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہ مقام کہ میں خدا کے حضور میں حاضر ہوں وہ مجھے دیکھ رہا ہے مقام مراقبہ
 ہے پھر جب نمازی کو یہ مقام نصیب ہو گویا وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے تو وہ مقام مشاہدہ
 میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور انتہائی مقامات سے گزرتا ہے۔ غایت ہیبت، تعظیم، اجلال،
 خضوع، خشوع، حیاء، محبت، انجذاب، شوق، ذوق اور ظاہری و باطنی مجمع خاطر کے
 انتہائی مراتب سے مالا مال ہوتا ہے یہ مجاہدہ کے بعد مشاہدہ کی شان ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَٰلِ الْحَسَنِينَ ۝ ١٧٦

یہ نیت کہ میں خدا کے سامنے حاضری دے رہا ہوں، اس کی بندگی کر رہا ہوں، وہ مجھے دیکھ رہا ہے پوری نماز میں قائم رہتی چاہیے، نمازی کو اجازت نہیں کہ ایک لمحہ کے لیے خدا سے توجہ ہٹا کر کسی دوسری طرف نیت باندھ لے نماز میں کسی اور طرف صرف ہمت کرنے (یعنی توجہ پھیرنے) کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں عبادت میں کسی اور طرف نیت باندھنے سے اسلام کا عقیدہ توحید شرک سے آلودہ ہو جاتا ہے، اور اس میں اخلاص (کہ توجہ صرف ایک طرف بندھی ہو) قائم نہیں رہتا پس نمازی کو حق نہیں کہ دوران نماز کسی موقع پر یہ نیت باندھ لے کہ اب میں کٹوتی کے سامنے بیٹھ ہو گیا ہوں نہ یہ جائز ہے کہ وہ دوران نماز اپنے پروردگار یا کسی اور بزرگ ولی یا کسی فرشتے کی توجہ باندھ لے، حضرت علامہ عینیؒ حدیث احسان کی شرح میں لکھتے ہیں

ان تعبد الله عبادة من يرى الله تعالى ويراه الله تعالى فانه لا يستقيم

شيء من الخضوع والاختلاص وحفظ القلب والجوارح ومراعاة الآداب
مادام فی عبادتہ

تو نماز میں اس شخص کی سی عبادت کر چر خدا کو دیکھتا ہو اور خدا سے دیکھ رہا ہو کیونکہ ایسا شخص جب تک نماز میں رہے عاجزی، اخلاص، دل و اعضاء کی حفاظت اور آداب کی رعایت میں کوئی بات رہنے نہیں دیتا (کی نہیں کرتا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ان الله عز وجل مقبل على المصلي ما لم يلتفت

اللہ تعالیٰ نمازی کی طرف متوجہ رہتے ہیں جب تک وہ کسی طرف توجہ نہ پھیرے

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ نمازی جس طرح پوری نماز میں اپنے سر

اور آنکھ کو کسی اور طرف پھیرنے کا مجاز نہیں وہ اپنے دل کو بھی کسی اور طرف نہ پھیرے

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں :

المطلوب استحضار العبدانہ بین یدی الحق وملاحظتہ ومراقبتہ
ایاہ وهذا مقدور للعبد۔^۱

نماز میں مقصود بندے کا یہ استحضار ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے اسے دیکھ رہا ہے
اور یہ کہ وہ اس پر توجہ کئے ہیں۔ بندے کے اختیار میں بس یہی ہے

حاصل اینکه مومن جب تک نماز میں ہے اسے کسی دوسری طرف توجہ باندھنے کی اجازت
نہیں نماز میں کسی انسان کی طرف توجہ باندھنا شرعاً منع ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
ایک دوسری بحث میں لکھتے ہیں :

خطاب کردن بہ بشر در نماز منہی عنہ است۔^۲
توجہ: نماز میں کسی انسان کو مخاطب کرنا منع ہے۔

مومن جب تک نماز میں رہے اسے کسی طرف توجہ باندھنے کی اجازت نہیں کہ سمجھے اب میں
کسی اور کے سامنے حاضر ہو گیا ہوں نہ نماز میں کسی اور کی تعظیم کی اجازت ہے حتیٰ کہ کسی اور
شخص نے نماز پڑھتے ہوئے کسی اور شخص سے جو نماز میں شامل نہیں ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم
کا نام مبارک سنا اور درود شریف پڑھ لیا تو اس کی نماز جاتی رہی کیونکہ اس نے نماز میں
ارادنا اور تعظیماً اپنی توجہ حضور کی طرف پھیری تھی اور تو اور۔ مولوی امجد علی صاحب بھی لکھتے ہیں
نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود پڑھنا نماز جاتی رہی۔^۳

بے شک نیت دل کا فعل ہے نماز جب اخلاص سے نماز کی نیت باندھتا ہے تو
اسے پوری نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور خوف و ہیبت اور بندگی و عاجزی سے حاضر رہنا
چاہیے پوری نماز میں وہ کسی اور طرف نیت نہ پھیرے ورنہ نماز نہ رہے گی اور توجہ مقصود

۱۔ لمعات التنقیح جلد اول ص ۶۹ ۲۔ مابج النبوة جلد ۱ ص ۴۱ ۳۔ بہار شریعت حصہ سوم
ص ۱۵۱ ۱۶۱ ۴۔ درغنائیں ہے المعبر فیہا عمل القلب جلد ۱ ص ۳۸۵

پر نہ جسے گی مومن کمال التفات سے اپنے مقصود پر توجہ جمالے تو وہ نماز کی سعادت کو پالے گا
امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) ایک خط میں لکھتے ہیں :

جب تو ہمت کو پوری توجہ سے طلب کرے تو تجھے بشارت ہو کہ تو صحیح اور کامیاب
واپس لوٹے گا لیکن اس میں ایک ضروری شرط ہے وہ یہ کہ قبلہ توجہ صرف ایک ہو توجہ اگر
ایک مقصود سے تجاوز کرے گی تو یہ ممالک کا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔

مومن نماز سے اپنے روحانی سفر کی ابتدا کرتا ہے اور اس کی انتہا بھی نماز میں ہی کھلتی
ہے اس منتہی درجہ میں پھر کئی مقامات ہیں اور ترقی کی کوئی انتہا نہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
پر بھی قرب الہی کی لذت کسی ایک مقام پر منتہی نہ تھی آپ کو ہر نماز میں قرب الہی کی ایک
نئی دولت ملتی تھی۔ پس مومن جب تک نماز میں ہے وہ اس نیت کا پابند ہے جو اس نے ابتدا
نماز میں کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے وہ نماز میں کسی وقت اس نیت سے
باہر اگر کسی دوسری طرف پھرنے کا مجاز نہیں۔ علامہ طحاویؒ لکھتے ہیں :

الاخلاص لله تعالى على معنى انه لا يشرك معه غيره في العبادة

توجہ : نیت کو خدا تعالیٰ کے لیے خالص کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اس میں
کسی اور کو اس کے ساتھ نہ ملائے۔ ۱۷

نماز مومنوں کی معراج ہے

نماز مومن کی معراج ہے اور اسی سے وہ زینہ بزمینہ روحانی مقامات طے کرتا ہے پس
نماز کی ہر دخل شیطانی سے حفاظت کرنا بہت ضروری ہے نماز کا جو ہر یہ ہے کہ قبلہ توجہ اور

۱۷ ہمت صرفیئے اکرام کی ایک اصطلاح ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۸ المنتقبات ص ۳۲۔ ۳۳ رد المحتار جلد اول صفحہ ۳۸۵

مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مومن کے لیے یہ دنیا امتحان گاہ ہے یہاں عبادت بھی امتحان کا مورد بنتی ہے اور شیطان نمازی کو بھی ہر قدم پر نماز کے ثمرات اور اس کی صحیح کیفیات سے محروم کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کہا تھا کہ میں تیرے بندوں پر ہر طرف سے حملہ کروں گا اور اس کا یہ حملہ آج تک جاری ہے ہاں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں ان پر اسے قبضہ نہیں ملتا اور یہ ان پر خدا کی نظر کرم ہے۔

نماز میں دو دراز کار خیالات کی آمد اور طرح طرح کے دوسرے نماز کی آفتیں ہیں ان کی وجہ سے نمازی یکسوئی اور خشوع کی لذت سے محروم رہتا ہے بھران آفتوں کے کئی درجے ہیں اور اندھیروں پر اندھیرے ہیں سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ نماز میں توجہ ماسوی اللہ پر بھی لگی رہے اور یہ توجہ تعظیم و احترام کی انتہائی شان کے ساتھ ہوس صورت میں یہ محض دھیان یا خیال نہ رہے گا عبادت بن جائے گا اور اللہ رب العزت کی عبادت کے ساتھ ساتھ ایک اور متوازی عبادت راہ پائے گی۔ یہی شرک ہے پھر جب اس قسم کا دھیان خود لایا جائے اور اس موضوع پر اس طرح توجہ جمائی جائے کہ نمازی کی توجہ اللہ تعالیٰ پر بھی نہ رہے اس سے پھر جائے جسے صرف ہمت (پوری توجہ پھیرنا) کہتے ہیں تو یہ ایمان کی پوری ہلاکت ہے۔ ضروری ہے کہ نماز کی ہر دخل شیطانی سے حفاظت کی جائے قرآن کریم میں ہے :

سَافِطُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (پل البقرہ ۲۳۸)

ترجمہ : حفاظت کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔

اس آیت شریفہ میں نماز کی حفاظت کی یہ راہ بتلائی کہ اس میں پوری عاجزی سے اللہ کے حضور میں کھڑے رہو ایسی کوئی حرکت یا نیت نہ کرو کہ جس سے معلوم ہو کہ اب تم نماز نہیں پڑھ رہے یا تم نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے سے نیت بدل لی ہے اور توجہ کسی اور طرف پھیر لی ہے۔ یہ آیت بتلاتی ہے کہ پوری نماز میں اللہ کے حضور میں حاضر رہنا چاہیے

اور یہی ارادہ دہشت نماز کی پوری حفاظت ہے درمیانی نماز عین اس وقت آئی جب انسان زیادہ تر دنیوی امور میں مصروف ہوتا ہے اور اس کی توجہ کئی طرف بٹی ہوتی ہے اس کا خصوصی ذکر فرما کر تاکید کی کہ اس نماز کو کیسوی اور ادب کی لازوال دولت سے آباد کرو جس طرح کی یہ نماز ہے اسی طرح پوری پابندی سے ادا کی جائے نمازوں میں ترتیب رہے وقت پر پڑھی جائیں ارکانِ سنت کے مطابق ادا کئے جائیں اسی طرح نماز کی یہ حفاظت بھی کی جائے کہ اسے اندرونی آفتوں سے بچایا جائے دور از کار خیالات کی آمد سے کسی دوسری طرف توجہ جانے اور صرف ہمت کرنے سے اس کی پوری حفاظت کی جائے، اور قوموا للہ قانتین کے حکم الہی کے تحت پوری نماز میں اللہ کے حضور میں حاضری رہے اور ارادہ عبادت کی انتہائی حالت قنوت اور عاجزی صرف اسی کے سامنے ہو

قرآنی مضامین بنیت تلاوت

نماز میں قرآن شریف کی قرأت کرتے ہوئے ان واقعات اور مضامین کی طرف ذہن چلا جاتا ہے جو اس حصہ قرأت میں مذکور ہوں اور ان میں بسا اوقات خطاب کے صیغے بھی آجاتے ہیں جیسے **وَإِنِّي لَآظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا** (پہا بنی اسرائیل ع) تو ایسے موقعوں پر نماز پڑھنے والے کو ہمیشہ تلاوت کی نیت رکھنی چاہیے۔ تلاوت سے مُراد ان الفاظ اور مضامین کی ثانوی ادائیگی ہے۔ یہ عبادات اور الفاظ جب اپنے موقع پر کہے گئے تھے تو یہ ان کی ادائیگی تھی اب انہیں جب بھی دہرائیں یہ ان کی ثانوی ادائیگی ہوگی۔ عربی میں تلاوت ثانوی ادائیگی کہتے ہیں۔ چاند سورج کے پیچھے چلے تو اسے والشمس وضہا والہمر اذا تلاھا دیا توجہ: قسم سورج کی اور وہ چڑھنے کی اسکی ادائیگی جب وہ سورج کے پیچھے آئے) سے ذکر کیا گیا ہے۔

نماز میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے کہیں خطاب کے الفاظ آئیں تو یہ خیال نہ کرے

کہ میں اب اس شخص کو مخاطب کر رہا ہوں انبیاء کرام کا ذکر آئے اور وہ آیات آئیں جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مخاطب کیا تھا تو یہ نیت نہ کرے کہ میں اب ان پیغمبروں کے سامنے حاضری دے رہا ہوں اور انہیں پکار رہا ہوں ان آیات کی قرأت برہیل حکایت کرے کہ یہ واقعات کبھی پیش آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کو اس طرح خطاب کیا تھا اگر نمازی یہ نیت کرے کہ وہ اب ان پیغمبروں کو پکار رہا ہے تو اس کی نماز نماز نہ رہے گی ان آیات کا پڑھنا ہمیشہ بہ نیت تلاوت ہونا چاہیئے

جب ان آیات کی تلاوت کرے۔ یا آدھرا سکن انت وزوجک الجنة۔ یا ابراہیم قد صدقت الرؤیا۔ وما تملک بیمینک یا موسیٰ۔ یا زکریا انا نبشرك بغلام۔ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوة۔ یا عیسیٰ انا متوفیک ورافعک الی۔ یا ایہا المدثر قم فأنذر۔ تو ان خطابات سے برہیل نقل واقعات گزرے انشاء (بات اپنی طرف سے کہنے) کی نیت نہ کرے یہ نہ سمجھے کہ میں ان پیغمبروں کو پکار رہا ہوں اپنی نیت یہی رکھے کہ میں خدا کے حضور میں حاضر ہوں اور اسی کے سامنے سرایا سجدہ بندگی ہوں یہ بھی نماز کی حفاظت ہے قوموا للہ قانتین پر عمل ہے اور اپنی نیت عبادت کو ایک مقصود پر جمانا ہے اس سے توجہ پوری ہمت سے ایک طرف لگ جاتی ہے اس مقام پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ ارشاد بھی ملحوظ رکھنا چاہیگا

خطاب کردن بہ بشر در نماز منہی غنہ است۔ مدارج النبوة جلد ۱ ص ۴۱

ترجمہ: نماز میں انسان سے مخاطب ہونا ممنوع ہے۔

تشہد کی حالت میں نمازی کی نیت

تشہد میں بھی نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہے اور وہ اس وقت بھی قوموا للہ قانتین پر عمل پیرا ہے اب بھی اس کی یہی نیت ہے کہ وہ اللہ کے حضور میں حاضر

ہے اور اللہ تعالیٰ سے توجہ پھیرنے اور صرف ہمت کرنے کی اسے یہاں بھی اجازت نہیں۔
 تشہد میں جب وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت بھی وہ اللہ
 کے حضور میں حاضر ہے پوری نماز خدا کی بندگی ہے اور نماز کے کسی بھی حصے میں اسے نماز کی
 نیت سے نکلنے کی اجازت نہیں حضور پر سلام پڑھتے ہوئے اگر وہ خدا تعالیٰ سے توجہ پھیر لے
 اور یہ نیت کر لے کہ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر حاضر ہوں تو اس نیت بدلنے
 سے نماز نماز نہ رہے گی یہ صرف ہمت ہے جو ممنوع ہے السلام علیک ایہا النبی
 کہتے ہوئے بھی وہ یہی عقیدہ رکھے کہ وہ خدا کے سامنے پیش ہے اور حضور کو جو سلام بھیج رہا ہے
 وہ اللہ کے فرشتے حضور پر پیش کر دیں گے، یہ پیغام رسانی فرشتوں کے سپرد ہے اور وہ زمین
 پر سیاحت کرتے پھرتے ہیں، جہاں کسی نے سلام بھیجا وہ اسے حضور کی خدمت میں پہنچا دیتے
 ہیں۔ نمازی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر اسے حضور اکرم پر لگا دے اسلام
 اس صرف ہمت کی اجازت نہیں دیتا نماز عبادت ہے اور صرف اللہ کی عبادت ہے
 اس میں ارادہ عبادت کی انتہائی حالت اللہ کے سوا کسی اور سے متعلق کرنے کی اجازت نہیں۔
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشہد میں خطاب کرنے کی تین صورتیں ہیں ان میں سے جو
 صورت بھی اختیار کی جائے اللہ تعالیٰ سے توجہ ہٹانے اور حضور کی طرف صرف ہمت کرنے
 کی کہیں گنجائش نہ ملے گی۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہونے کی بجائے وہ حضور اکرم کی شخصیت
 کو میرے دل میں لا کر آپ پر بایں عقیدہ سلام عرض کرے کہ فرشتے اسے حضور کی خدمت
 میں پہنچا دیں گے، اور وہ خود صرف خدا کے حضور میں حاضر رہنے کی نیت رکھے اس صورت میں
 اس نے حضور کے خیال میں اپنی توجہ خدا سے نہیں ہٹائی نہ صرف ہمت کی ہے اسے السلام علیک
 کہتے ہوئے پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ اس کا درود و سلام حضور کو پہنچا
 رہے ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے خطاب کی یہ صورت تجویز کی ہے۔

و احضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم و شخصہ الکریم و قل
اسلام علیک ایہا النبی و رحمة اللہ وبرکاتہ و یصدق املک فی انہ یبلغ
تجرہ ماوراء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و آپ کی شخصیت کرم کو دل میں حاضر کر
اور کہہئے نبی آپ پر سلام ہوا و تیری امید پوری ہونی چاہیے کہ یہ سلام حضور کو و فرشتوں
کے ذریعہ پہنچ جائے۔

۲۔ نمازی اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہوئے اگر اس اونچے درجے پر جا پہنچے کہ التَّحِیَّاتُ لِلَّهِ
کہتے ہوئے اس کے لیے عالم ملکوت کا دروازہ کھل جائے اسے واقعی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری
نصیب ہو اور وہ دربار الہی میں باریابی پائے اور پھر وہ خدا کے حضور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو بھی حاضر پائے تو اللہ سے توجہ ہٹائے بغیر وہ حضور پر پراہ راست سلام پیش کر دے فرتوں
کا تصور بھی درمیان میں نہ رہے تو اس سلام بھیجنے سے بھی اس نے اللہ تعالیٰ سے توجہ نہیں
ہٹائی نہ وہ صرف بہت کام تکب ہوا ہے یہ حضور کی طرف دھیان باندھنا نہیں بلکہ
عالم ملکوت کے انکشاف پر خود کا سامنے آجانا ہے۔ فقہاء اسلام کہتے ہیں کہ اس طرح حضور
پر سلام عرض کرنا انھی لوگوں کی منزل ہے جو اس مقام کے ہوں حضرت علامہ عینیؒ لکھتے ہیں
ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لهم بالدخول
فی حرم الحی الذی لا یموت فقررت اعینہم بالمناجات فہو اعلیٰ
ان ذالک بواسطہ بنی الرحمة وبرکاتہ متابعتہ فاذا التفتوا فاذا
الحسب فی حرم الحسب حاضر فاقبلوا علیہ قائلین السلام علیک
ایہا النبی و رحمة اللہ وبرکاتہ

توجہ : ایسے نمازی جب التحیات کہتے ہوئے باب ملکوت پر دستک
دیتے ہیں تو انہیں اس ذات واجب کے دربار میں جو ہمیشہ کے لیے زندہ
ہے حاضری کی اجازت مل جاتی ہے اس کی مناجات سے ان کی آنکھیں

ٹھنڈی ہوتی ہیں انہیں اس وقت بتلایا جاتا ہے کہ یہ مقام انہیں نبی رحمت کے طفیل اور آپ کی تابعداری کی برکت سے ملا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حضور میں موجود پاتے ہیں۔ تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام علیک ایہا النبی کہتے ہوئے سلام عرض کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا تنبیہ خود دھیان میں لانا اور آپ پر پوری توجہ جانا، یہاں تک کہ خدا سے بھی توجہ ہٹ جائے اور صرف ہمت ہو جائے یہ وہ صورت نہیں صرف ہمت کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے نماز عبادت ہے اور ایک خدا کی عبادت ہے خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے کی نیت بدل کر یہ نیت باندھنا کہ اب میں حضور کے سامنے حاضر ہو گیا ہوں اس سے نماز کی یہ نیت کہ یہ خدا تعالیٰ کی بندگی ہے، بالکل بدل جاتی ہے ۳۔ نمازی تشہد میں السلام علیک ایہا النبی واقعہ معراج کی یاد میں کہے یہ تشہد اس رات کا ایک تذکرہ ہے معراج کی رات حضور اکرم نے التحيات للہ۔

والصلوات۔ والصلوات کہہ کر تین تحفے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کئے تھے کہ سب زبانی عباد میں، بدلی عباد میں اور مالی عباد میں صرف اللہ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں تین تحفے حضور پر پیش فرمائے تھے۔ السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ اے میرے پیغمبر آپ پر سلام رحمت اور برکت ہو نماز میں حضور پر سلام واقعہ معراج کی حکایت ہے۔ اور یہ سلام دواہل بندے کی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے اس کے حبیب پاک پر پیش ہوا تھا۔ اور مومن اب اس سلام کے ضمن میں اپنا سلام عرض کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سلام کی حکایت اب بندہ مومن کی طرف سے ہیہ سلام ہے۔

حنفیہ کے جلیل القدر محقق علامہ ابن نجیم (۷۹۹ھ) کہتے ہیں:

اما قولہ السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ حکایۃ سلام

اللہ تعالیٰ علی نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی ثلثۃ بمقابلتہ

الثلثات الّتی اثنیٰ بہا النبی علی ربہ لیلۃ الاسراء

ترجمہ: السلام علیک ایھا النبی دراصل اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے جو اس نے اپنے نبی پاکؐ پر معراج کی رات بھیجا تھا۔ یہ تین تھے ان میں عربوں کے جواب میں ملے تھے جو اس رات آپؐ نے اپنے پروردگار کے حضور میں پیش کی تھیں۔

پس نمازی کا سلام حضور پاکؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر واقعہ معراج کی حکایت کے ضمن میں پہنچا ہے سلام پیش کرنے کی یہ تیسری صورت ادا ہے ان تینوں صورتوں میں سے جو بھی پیش نظر ہو صرف ہمت کا کسی میں شائبہ نہیں۔

ہمت کی اصطلاح

ارادہ عبادت کی انتہائی حالت | خدا تعالیٰ کی طرف پوری توجہ لگائے رکھنا نماز کا جو ہر ہے ارادہ عبادت کی

انتہائی حالت کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں ہمت کہتے ہیں۔ مومن جب پرے اشتیاق سے خاص مقصود کی طرف دھیان جمالے تو اس ہمت کے مرد نماز میں اپنے خدا کو پالیتے ہیں ایسے نمازیوں کو نماز میں خدا ملتا ہے اور نماز ان کی آنکھوں کی ٹنڈک بن جاتی ہے ارادہ عبادت کی اس انتہائی حالت میں نمازی جب تک خود رُخ نہ بدلے کسی اور طرف توجہ کرنا اس کے لیے ممکن نہیں رہتا۔

ہمت صوفیہ کرام کی اصطلاح میں ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کا نام ہے عام نمازی آقاؐ نماز میں تو اخلاص نیت سے چلتے ہیں صرف ایک طرف نیت باندھتے ہیں کہ خدا کے سامنے حاضر ہیں لیکن پوری نماز اسی کیفیت سے ختم کرنا صرف اہل ہمت کو ہی نصیب ہو سکتا

ہے یہ کیفیت اپنے درجے کے مومنین کو نمازیں بہ وقت حاصل رہتی ہے۔ اور وہ اپنی توجہ کسی اور طرف نہیں پھیر پاتے۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ ہریریؒ منازل السائرین میں لکھتے ہیں:

(باب الہمة) الہمة ما یملک الانبعاث للمقصود صرفاً۔

ترجمہ: ہمت (بندہ مومن کا) وہ ارادہ ہے جس کے تحت وہ مقصود حقیقی کی طرف پورے اشتیاق سے متوجہ ہو اور اس پر اس طرح دھیان لگائے کہ اپنے مقصود کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ ہو سکے،

طریق السالکین میں ہے:-

الہمة فِعْلَةٌ من الهم وهو مبدا الارادة ولكن خصوصاً بانہایة الارادة فالهم جیدہا والہمة نہایتہا ضل

ترجمہ: ہمت فِعْلَةٌ کے وزن پر ہے۔ اس کی اصل ہم ہے یہ ارادہ کی ابتداء کی حالت ہے جب حالت انتہائی مدح میں ہو تو اسے ہمت کہتے ہیں ہستم ابتداء ہے اور ہمت اس کی انتہا۔

ارادہ عبادت اس درجے میں ہو تو مومن کو حضور قلب کی دولت مل جاتی ہے اور دل عبادت میں لگ جاتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:-

ان حضور القلب سبب الہمة فان قلبک تابع لہمتک فلا یحضر فیما یہتمک

ترجمہ: بے شک حضور قلب کا ذریعہ ہمت ہے جب ہم تیرا دل تیری ہمت کے ساتھ ساتھ چلے گا تو حضور اسی مقصود کا ہو گا جہاں تیری ہمت لگی ہے

نماز میں بندہ کی پوری توجہ جب صرف خدا تعالیٰ پر مچی ہو کسی اور طرف نہ لگے تو یہ حضور قلب کا مقام ہے اور یہ دولت اسی وقت ملتی ہے جب اس پر یہ بات کھلی ہو کہ غرض مطلوب صرف اسی سے وابستہ ہے اور یہی ایمان ہے۔ امام غزالیؒ پھر لکھتے ہیں:

فلاحیلتہ ولا علاج لاحضار القلب الا بصرف الهممة الى الصلوة
والهممة لا تقتصر اليها ما لم يتيقن ان الغرض المطلوب
منوط بها وذاك هو الايمان^۱۔

ترجمہ: حضور قلب کا مقام پانے کے لیے نماز کی طرف صرف ہمت
کے سوا اور کوئی جیلہ اور علاج نہیں اور ہمت (ارادہ کی انتہائی حالت)
نماز پر نہیں لگتی جب تک یہ نہ واضح ہو جائے کہ مطلوب تک پہنچنا اسی سے وابستہ
ہے اور سچی ایمان ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ صرف ہمت یہ ہے کہ دل اپنے مقصود حقیقی سے ایک لمحہ کے لیے بھی
غائب نہ ہونے پائے یہ حضور قلب کا مقام ہے اور حضور یہ ہے کہ اس میں ذرا غفلت نہ ہو۔
ارادہ کی انتہائی حالت پوری نماز میں قائم رہے دل کسی اور طرف ذرا بھی نہ جھکے تو اس ہمت
کے مرد حضور قلب کا مقام پالیتے ہیں بندہ مومن سے ارادہ عبادت کی یہ انتہائی حالت مطلوب
ہے یہ قصد دل جب انتہائی توجہ سے جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی اور طرف توجہ نہ رہے (تنام)
ہو تو مومن اپنے اس نیک سفر سے کامیاب واپس لوٹتا ہے۔ حضرت امام ربانی سیدنا مجدد
الف ثانی (۱۰۳۵ھ) مرزا بدیع الزمانؒ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

وحيث طلبت الهممة من كمال الالتفات فبشرى لك ترجع سالماً
وغانماً لكن لا بد من ان تراعى شرطاً واحداً وهو توحيد قبله^۲ التوجه
فان جعل قبله التوجه متعددة القلوب سالك نفسه الى التفرقة^۳
ترجمہ: اور جب تو کیفیت ہمت کو پوری توجہ سے طلب کرے تو تجھے نشان
ہو کہ تو سالم اور کامران اس ہم سے واپس لوٹے گا۔ لیکن اس میں ایک ضروری

شرط ہے اور وہ قبلہ توجہ کا ایک ہونا ہے۔ (کہ توجہ صرف ایک ہی طرف ہو) توجہ اگر کئی طرف رہے تو سالک نے اپنی جان کو تفرقہ میں ڈال دیا (جس سے توجہ کسی مقصد پر نہ جم سکے گی حالانکہ وہی ہمت کا تقاضا تھا) مدارج السالکین میں ہے۔

ان همة العبد اذا تعلقت بالحق تعالى طلباً صادقاً خالصاً محضاً
فتلك هي الهمة العالية۔

ترجمہ: بندہ کی ساری توجہ جب طلب صادق سے اللہ تعالیٰ سے جا ملے اور یہ توجہ خالصاً صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہو کسی اور طرف توجہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے تو یہ ہمت عالیہ ہے۔

دوسری طرف توجہ کرنے کی کوئی راہ باقی نہ رہنا مقام احسان ہے کہ باقی ہر ایک کے لیے اب یہاں رکاوٹ ہو۔ اس ہمت والے مرد اپنی منزل پر جلد پہنچتے ہیں اور اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:
الهمة عبارة عن اجتماع الخاطر وتأكد العزيمة بصورة التمتني
والطلب بحيث لا يخاطر في القلب خاطر سوى هذا المراد
كطلب العطشان الماء۔

(ترجمہ) ہمت کے معنی اپنے دل کو طلب و آرزو کے ساتھ ایک مقصد پر ٹھہرانا اور اس پر عزم کو اس طرح جمانا ہے کہ دل میں اس خاص مقصد کے سوا اور کسی بات کی طرف دھیان نہ رہے۔ جیسے پیاسے کو

پایاس کے وقت بس پانی کی ہی طلب ہوتی ہے۔

پایاسا پایاس کی حالت میں کتنے ہی حالات سے کیوں نہ گزرے اس کی ہمت پانی پر ہی جمی ہوتی ہے اور اس کی توجہ اس میں لگی ہوتی ہے۔ اہل حق کے نزدیک مومن کی ہمت نماز میں صرف اللہ تعالیٰ پر جمی رہنی چاہیے۔ اور وہ پوری پوری طلب و آرزو سے اس قبلہ مقصود پر اپنا دھیان جمائے رکھے۔ خیالات کتنے ہی کیوں نہ گزریں وہ دھیان صرف خدا پر جمائے، خیال آنا اور دھیان جانا دو مختلف حالتیں ہیں۔ دھیان جانے کی حالت صرف خدا سے متعلق ہونی چاہیے مومن کے لیے دل کسی اور طرف پھیرنا خواہ وہ انبیاء ہوں یا فرشتے اس کے ارادہ ہمت کے خلاف ہونا چاہیے۔ ”صرف ہمت“ سے مراد دل کو مقصود سے پھیر لینا ہے۔ اور ہمت سے مراد اسے مقصود پر جمائے رکھنا ہے۔

کالمین مقصود پر توجہ جانے میں اتنے کامیاب ہوتے ہیں کہ فنا فی اللہ کا مقام پالیتے ہیں۔ اس مقام میں خیال لانا تو درکنار خیال آنا بھی باقی نہیں رہتا یہ مقام فنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے لیکن ہمت اور قصد دل باندھنا مومن کے لیے خدا کے سوا اور کسی طرف جائز نہیں۔ نماز میں بلا قصد کتنے ہی خیالات آئیں اللہ تعالیٰ سے درگزر اور معافی کی امید ہے لیکن توجہ کو قصد اخلا سے ہٹانا اور صرف ہمت کر کے اسے اپنے پیر و مرشد یا کسی ولی و پیغمبر پر جمانا نماز کے لیے بہت بڑی آفت ہے اور نماز کے مقام توحید میں شیطان کی صریح مداخلت ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں :
قلب ماسوی اللہ سے چٹکارا حاصل کر کے سلامتی پائے اور مقصود کے سوا ہر چیز کے دیکھنے اور سمجھنے سے فارغ ہو جائے۔ اس مقام پر اللہ

کے سوا کسی کا خیال بتکلف بھی اسے یاد دلائیں وہ ادھر نہ آئے گا۔ دل میں اس کا ہرگز خیال نہ گزرے گا۔ ہمیشہ اپنے مطلوب میں مستغرق اور فاسد ہے گا۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچے تو سمجھو ایک قدم اس راہ میں اٹھ گیا ہے لہ

مومن جب نماز میں نہ ہو اور اپنے شیخ سے روحانی فیض چاہے تو اپنی ہمت کو شیخ و

نماز سے باہر شغل رابطہ

مرشد پر پوری طرح متوجہ کر سکتا ہے لیکن یہ عبادت نہیں استغناء ہے گویا وہ اپنے شیخ و مرشد کے سامنے حاضر ہے اور انوار الہی شیخ کے واسطے اس کے دل پر

اتر رہے ہیں۔

بعض حضرات نے اس شغل رابطہ میں برقیقت کی راہ اختیار کی ہے اس میں شیخ و مرشد اس کے لیے بمنزلہ لباس ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کے حضور میں حاضر ہے اور شیخ اس پر برقعہ کی صورت میں محیط ہے جس میں وہ گھرا ہوا ہے یہ شغل رابطہ عبادت میں صرف ہمت نہیں، نہ اس میں توجہ خدا سے ہوتی ہے نہ صرف ہمت ہوتا ہے۔ اس تجویز سے اختلاف ہو سکتا ہے اس میں آنے والے خطر دل سے بھی انکار نہیں۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ اس میں شیخ و مرشد کی طرف صرف ہمت نہیں جو صریح شرک ہے۔

نماز میں شیخ و مرشد کی طرف توجہ باندھنا اور خیال جانا کسی طرح بھی جائز ہوتا تو بعض اہل تصوف یہ صورت ہرگز تجویز نہ کرتے صورت برقیہ میں شیخ بھی عابد قرار پاتا ہے معبود نہیں جناب پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

عند تحقیق اس پر کوئی قباحہ شرعیہ لازم نہیں خصوصاً تصور برقیہ پر یعنی خلج

تعیین خود صورت شیخ کو برقعہ کی طرح اپنے اوپر کر لینا کہ اس صورت میں تعین و مقصود تعین
شیخ، عابد ہو گا نہ معبود لے

یہ تجویز بتا رہی ہے کہ نماز میں شیخ کی طرف صرف ہمت کی جناب پر صاحب
مبھی اجازت نہیں دے رہے ورنہ آپ یہ صمدت برقیہ ہرگز تجویز نہ کرتے اس
صورت میں شیخ قبلہ مقصود نہیں بنتا وہ صرف خدا کی ذات رہتی ہے اس سے توجہ
نہیں ملتی نہ صرف ہمت ہوتا ہے شغل رابط کی صورت جو اس راہ کے سالکین
سے ملتی ہے وہ نماز سے باہر ہوتی ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے
ہیں کہ سالک شیخ کے حضور میں اس طرح بیٹھے گویا اپنے آپ کو اس میں کھو چکا ہے
پھر شیخ سے دوری کی حالت میں بھی اس کا دھیان اسے فیض صحت سے فیضیاب
کرے گا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں :

فاذا صاحبه خلق نفسه عن كل شئ الا محبته وينظر لما
يفيض منه ويفض عينيه او يفتحها وينظر بين عيني الشيخ
فاذا فاض شئ فليتبعه بمجامع قلبه وليحافظ عليه
واذا غاب الشيخ عنه يخل صورته بين عينيه بوصف المحبة
والتعظيم فتفيد صورته ما تفيد صحبتة لہ

ترجمہ جب وہ شیخ کی صحت میں بیٹھے اپنے دل کو شیخ کی محبت
کے سوا ہر چیز سے خالی کر لے اور اس کی طرف سے فیض کا منتظر رہے
اپنی آنکھوں کو بند کرے یا کھلا رکھے اور شیخ کی آنکھوں کے بیچ دیکھتا
رہے پھر جب (شیخ کی طرف سے) فیض آئے تو پورے دل کے دھیان

سے اس کے پیچھے پڑے اور اس کی نگہبانی کرے۔ اور شیخ کی عدم موجودگی میں اس کی صورت پوری محبت و تعظیم سے اپنی آنکھوں کے سامنے لائے۔ شیخ کی یہ خیالی صورت اسے اسی طرح فیض پہنچائے گی جیسے اس کی صحبت سے اُسے فیض پہنچتا ہے۔

واضح رہے کہ شغل رابطہ نماز میں نہیں دوسرے اوقات کا عمل ہے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے بھی ایک مقام پر اس کا ذکر کیا ہے۔

و تصور شغل مذکور ایں است کہ برائے دفع خطرات و جمعیت ہمت صورت شیخ را کما یشی بہ تعین و تشخیص در خیال حاضر کند و خود با ادب و تعظیم تمام مہمگی ہمت خود متوجہ بآں صورت سے شوند کہ گویا با ادب و تعظیم بسیار دو بروئے شیخ نشسته اند و دل بالکل بآں سو متوجہ سازند لے

ترجمہ :- شغل مذکور کی عملی شکل یہ ہے کہ خطرات کے دفع کرنے اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے شیخ کی صورت کو پوری تعین اور تشخیص کے ساتھ جیسا ہونا چاہیے اپنے خیال میں حاضر کریں اور پورے ادب و تعظیم اور محبت کے ساتھ اس کی صورت پر متوجہ ہوں۔ گویا پورے آداب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ اور دل کو پورے طور پر اس کی طرف متوجہ کئے ہوئے ہیں۔

اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ اس شغل رابطہ کے یکسر خلاف

نہیں۔ ہاں وہ نماز کے اندر اس کے ہرگز قائل نہیں۔ صوفیہ کرام نے جہاں بھی اس کی تجویز کی ہے نماز کے باہر کی ہے۔ شغل رابطہ میں سالک عامل اور غافل جاہل

۱۷۲ مطراستقیم ص ۱۸ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی حضرت شہیدؒ کی طرح اس کی اجازت دی ہے۔

میں فرق کرنا ضروری ہے۔ جاہل متصوف نماز میں بھی شیخ و مرشد یا فرشتہ و پیغمبر کا تصور باندھ لیتے ہیں۔ انہیں کون روکے؟ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پچھل ہرگز اسلام کا نہیں، شرک کی نہایت تاریک راہ ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صراطِ مستقیم میں لکھتے ہیں کہ نماز میں یہ شغل کرنا اس سے بدتر ہے کہ انسان دنیا کی کسی عام چیز میں کھوجائے یہ معمولی چیزیں صرف اس کی غفلت کا نشان ہوں گی۔ ان میں شرک کا اندیشہ نہ ہو گا۔ لیکن نماز میں شیخ کی طرف دھیان جانا یہاں تک کہ خدا کی طرف سے بھی توجہ ہٹا لینا ”صرف ہمت کرنا“ شرک نہیں تو کون سا ایمان ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی۔ اپنے شیخ و مرشد حضرت سید احمد بریلویؒ کے ارشاد سے لکھی ہے۔ اس عبارت میں موضوع تردید نماز میں شیخ کی طرف صرف ہمت کرنا ہے اتفاقاً کسی خیال کا آنا نہیں ہے۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہے کہ ہمت کوئی عام لفظ نہیں جسے محض ایک خیال کہہ دیا جائے۔ بلکہ یہ ایک خاص اصطلاح ہے اور یہ بندہ مومن کی وہ حالت ہے جب وہ ایک مقصود پر اپنی توجہ جمائے اس کے لیے یہ لازم ہے کہ قصد دل کی یہ کھڑکی کسی اور طرف نہ کھلی ہو نہ اندیشہ میں یہ قصد دل صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ارادہ عبادت کی انتہائی حالت اللہ رب العزت کے سوا اور کسی کے لائق نہیں۔ صرف ہمت کی اصطلاح خیال، دوسو سے واردات اور مکاشفات سے کہیں مختلف ہے اہل علم میں سے بھی اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اہل دل بھی ہوں

مقصود سے توجہ ہٹنے کی مختلف صورتیں | سب اہل علم اس پر متفق ہیں کہ نماز میں مقصود حقیقی صرف

اللہ رب العزت کی ذات ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لیکن اس سے

بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان ارادہ عبادت کے باوجود دانستہ یا ندانستہ بہت سے دوسرے خیالات میں بھی کھو جاتا ہے مثلاً اور پیر و مرشد روحانی طبیب ہوتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے متوسلین اور عقیدت مندوں کو بتدریج نفسانی ظلمتوں سے نکالیں بڑی آفتوں سے نکال کر چھوٹی آفتوں پر لے آئیں اور پھر چھوٹی آفتیں بھی ایک ایک کر کے چھوٹی جائیں۔ یہاں تک کہ سالک اپنے مقصود کو پالے مقصود سے توجہ ہٹنے کی مختلف صورتیں ہیں سب سے ادنیٰ صورت نماز میں دنیوی چیزوں کا خیال ہے۔ اور سب سے بدتر صورت یہ ہے کہ انسان نماز میں اللہ تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر اپنے مرشد کے سامنے حاضر ہونے کی نیت باندھ لے اور عقیدہ توحید سے منہ پھیر لے۔

۱۔ خیالات اور دوسرے بھی کئی طرح کے ہیں نماز میں دنیوی چیزوں کا خیال آنا بُرا ہے لیکن گناہ کا خیال جیسے زنا کا دوسرا اس سے بھی زیادہ بُرا ہے نماز میں دنیوی خیالات عبادت کی لذت سے محروم رکھتے ہیں۔ لیکن گناہ کا دوسرا کئی ظلمتیں پیدا کرتا ہے زنا کے دوسرے کی نسبت اپنی بیوی کا خیال کم بُرا ہے ویسے دونوں صورتیں نماز کی آفتیں ہیں۔

۲۔ اس سے بڑھ کر آفت یہ ہے کہ انسان نماز میں اس قسم کے خیالات خود لائے کہیں دکان کا حساب کتاب کرنے لگے اور کہیں مارکیٹوں میں گھومنے لگے۔ خیالات کا خود آنا بھی اچھی بات نہ تھی لیکن ایسے خیالات خود لانا اور بھی بُرا ہے۔ ایسا شخص چشمہ معرفت سے پیسا واپس لوٹتا ہے اور گناہ کا خیال خود لانا اس بھی بدتر ہے۔

۳۔ اس سے بڑھ کر نماز میں کسی ذی وجاہت شخص کی تعظیم ہے نمازی نماز میں بادشاہ صدر کسی وزیر یا کسی افسر سے احترام برتے امام ہو تو کسی چودھری صاحب یا علاقہ دار کے لیے قرأت یا رکوع کو بجا کر دے تو یہ صورت پہلی دو صورتوں سے بھی زیادہ بڑی

آفت چوگی۔ نماز اللہ کی انتہائے تعظیم تھی اس میں کسی اور تعظیم کو شامل کرنا کسی طرح جائز نہیں تھا۔ نماز میں یہ احترام اگر کسی ایسے شخص کا نہ ہو جو محض دنیوی طور پر ذی وجاہت اور صاحب عزت ہے بلکہ ایسی شخصیت کا ہو جس سے نمازی کا ایمان اور توحیم کا تعلق ہو۔ وہ نماز میں اپنے پیرو مرشد یا کسی ولی اور بزرگ کی تکریم کرنے لگے یا کسی سے صحابی رسول کا نام سن کر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا حضور کا نام مبارک سن کر درود شریف پڑھنے لگے تو یہ صورت پچھلی تین صورتوں سے بھی زیادہ کڑی ہوگی کیونکہ اس میں نمازی عبادت الہی میں ایک اور روحانی تعظیم کو بھی شامل کر رہا ہے۔

۵۔ نماز میں کسی عظیم لائق احترام دینی شخصیت پر پوری توجہ جما دینا یہاں تک کہ خدا کا دھیان بھی نہ رہے ان تمام حالتوں سے زیادہ ضرر رساں ہے جو پہلے بیان ہوئیں اگر خدا سے عداً توجہ ہٹائی جائے اور اسے کسی بزرگ یا فرشتے پر لگا دیا جائے تو یہ نماز کی سب سے بڑی آفت ہے اسے صرف ہمت کہتے ہیں اپنے پیرو مرشد یا کسی اور بزرگ اور ولی کی طرف توجہ باندھنے سے خدا کی عبادت جاتی رہے گی اور مخلوق کی عبادت راہ پا لے گی مقصود سے توجہ ہٹنے کی مختلف صورتوں میں سے یہ بدترین صورت اور سب سے بڑی آفت ہے۔

پہلی دو صورتوں میں نہ صرف عمل پر پڑتی ہے انسان عبادت کی لذت نہیں پاتا لیکن پچھلی دو صورتوں میں نہ ایمان پر بھی پڑ رہی ہے جس کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا۔

نماز میں تصور برزخی کی غلط صورت

بعض جاہل صوفی نماز میں تصور برزخی کے قائل ہیں اور وہ نماز میں اپنے پیر یا کسی بزرگ کا تصور باندھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے پیر کے واسطے سے اپنے خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔ اور پیر کے آئینہ میں انہیں خدا کا جلوہ نظر آ رہا ہے یہ وہی تصور ہے جو ہندوؤں

نے اپنے بتوں کے بارے میں قائم کیا تھا وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بت جن بزرگوں کی یاد میں بنے ہیں وہ ان بزرگوں کے واسطے سے خدا کی عبادت کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے اس قسم کے تصور برزخی کی راہ نکالنا اسلام پر ایک بڑا ظلم ہے اور خدا سے توجہ پھیر کر (صرف ہمت کر کے) ہم تن اپنے پیر میں ڈوب جانا ناز کی سب سے بڑی آفت ہے۔

برزخی ذکر میں مرید ہم تن شیخ کی طرف متوجہ رہتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ پیر خدا کی عبادت میں مشغول ہے اور وہ پیر کو برزخ بنا کر اور درمیانی واسطہ بٹھا کر اس عبادت الہی میں شریک ہے اس میں مریدوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ خود ذکر نہ کریں تاکہ خدا کی طرف کہیں دھیان نہ چلا جائے ہم تن پیر کی طرف دھیان رکھیں۔ (معاذ اللہ)

مولانا احمد رضا خاں اس تصور برزخی کے قائل تھے لیکن نماز میں اسے اختیار کرنے کی انہوں نے بھی اجازت نہیں دی۔ یہ ان کے مریدوں کی اپنی اپنی ایجاد ہے کہ وہ نماز میں بھی اپنے پیر یا کسی بزرگ اور ولی کی طرف صرف ہمت کرنے لگے ہیں ہاں مجلس ذکر میں وہ ضرور تصور برزخی کی تعلیم دیتے تھے ان کے ملفوظات میں ہے :

”شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ کرے کہ ذکر میں دوسری طرف (خدا کی طرف) مشغول ہو گا اور یہ حقیقتاً ممانعت ذکر نہیں بلکہ تنجیل ذکر ہے کہ وہ جو کرے گا بلا تامل ہو گا اور شیخ کی توجہ سے جو ذکر ہو گا وہ متوسط ہو گا یہ (برزخی ذکر) اس سے بدرجہا افضل ہے۔“

اللہ کی شان دیکھئے کہ اللہ کے نام پر اللہ کے ذکر سے روکا جا رہا ہے کہیں خدا کی طرف دھیان نہ چلا جائے اس کے لیے احتیاط بتلائی جا رہی ہے برزخی ذکر کی یہ صورت اگر نماز میں بھی آجائے اور مرید ان اپنے پیر کی طرف صرف ہمت کرنے لگیں تو پھر ہندوؤں کی بُت

پرستی اور عبادتِ مسلمانوں کی صرف ہمت میں کیا فرق رہ جائے گا۔ لازم آئے گا کہ ایسے مسلمان بھی مشرک شمار ہوں یا ہندوؤں کی بت پرستی بھی مشرک نہ رہے۔

مولانا احمد رضا خاں نماز کے اندر تو صرف ہمت کے قائل نہ تھے لیکن ان کا ذہن اس طرف ضرور مائل تھا کہ ہندوؤں کی بت پرستی کو مشرک سے پاک قرار دیا جائے حضرت مرزا مظہر جانائے نام ایک خط منسوب کر کے مولانا احمد رضا ہندوؤں کے بارے میں لکھتے ہیں ان کی بت پرستی مشرک سے منزہ (پاک) اور صوفیہ کرام کے تصور برزخ کی مثل ہے۔

انگریز کے عہد میں ایک یہ وقت بھی آتا تھا کہ مسلمان تصور برزخ کی راہ سے ہندوؤں کی بت پرستی سے سمجھوتہ کرنے لگیں وہ مشرک قومیں جن کے مشرک میں اب تک کسی جائز تاویل نے راہ نہ پائی تھی اب اس کے لیے بھی راہ مہوار ہونے لگی بت بنانا بھی کفر نہ رہا اور بت خانے بنانے بھی جائز ہو گئے انگریزی عہد میں مولوی فضل رسول بدایونی نے فتوے دیا تھا۔

بہینید کہ سائنس بت کفر نیست و دوجہ از حج دیکھو بت کا بنانا کفر نہیں اور اسکی خرید و فروخت کے آں تفصیل علی الاطلاق و مزدوری سائنس کا جائز ہونے میں کچھ تفصیل ہے بت خانے بنانے کی مزدوری و بارفروختن ناموجود محسوس جائز ہے اور آتش پرستوں کی آگ جلانے کی مزدوری جائز ہے

اگر ہندوؤں کی بت پرستی بھی مشرک نہیں بتوں کی طرف توجہ باندھنا محض ایک برزخی وجہ ہے عبادت حقیقت میں خدا کی ہو رہی ہے تو پھر مشرک تو دنیا میں کہیں نہ ہو گا جاہلیت کے عرب بھی بتوں کی پوجا اسی نظریے سے کرتے ہیں کہ وہ خدا کی عبادت میں ان کا وسیلہ ہیں قرآن کریم میں ان کا منقولہ یوں منقول ہے :-

ما نعبدہم الا لیقریونا الی اللہ زلفا (۱۲۸ الذر) ہم انہیں اسی لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں قریب کر دیں اللہ کے۔ درجے ہیں۔

۱۔ احکام شریعت احمد رضا ج ۲ ص ۱۹۲

۲۔ فتویٰ مولوی فضل رسول بدایونی ص ۱۴ مطبوعہ المخلاتی پریس ۱۲۲۸ھ شاہجہان آباد

دنیا میں شرک ہمیشہ محبت اور عقیدت کی راہ سے آیا ہے شرک خدا کے مقابلے میں معبود پیش
 بناتے ان معبودوں کی طرف توجہ ان کی عقیدت اور محبت کے طور پر راہ خدا میں ایک وسیلہ سمجھ کر
 کرتے ہیں اور اس سے لذت عبادت کی تائید سمجھتے ہیں پھر یہی شخصیتیں ان کی معبود بن جاتی ہیں
 عبادت میں کسی بزرگ کی تصویر سامنے رکھنا یا کسی ولی پیغمبر اور فرشتے پر دھیان جہاننا اس کی
 طرف توجہ باندھنا یا ارادہ عبادت کی انتہائی حالت میں صرف محبت کرنا ایک ایسا زینہ
 ہے جس کے ذریعہ دنیا میں بُت پرستی پھیلی شرک قوموں کی تاریخ آپ کے سامنے ہے پہلے
 اسے بزرگوں کی محبت اور عقیدت کا نام دیا جاتا ہے پھر اس عقیدت کو عبادت میں داخل کیا
 جاتا ہے اور ان کی تصویر یا تصویر برزخ (عبادت میں واسطہ) بنتے ہیں اور آخر کار یہ شرک
 شرک کی ماس دلدل میں جا گرتا ہے جہاں سے نکلنا پھر شاید ہی کسی کو نصیب ہو مولا نا احمد رضا
 خدا فرار کرتے ہیں :

دنیا میں بُت پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ صاحبین (اللہ کے نیک بندوں) کی محبت میں
 ان کی تصاویر بنا کر رکھیں اور اس سے لذت عبادت کی تائید بھی شدہ شدہ وہی معبود رکھیں
 یہ تاویل کہ عبادت میں بزرگوں کی تصویر توجہ نہ نہیں لیکن ان کا تصور جانا جائز ہے لائق
 قبول نہیں خدا کی عبادت میں کسی تاویل سے کسی کو شریک نہ کیجئے عبادت میں خدا اور بندے
 کے مابین کوئی برزخ درمیان واسطہ نہیں۔

عبادت میں خدا اور بندے کے مابین کوئی برزخ نہیں

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے اونچے درجے والے انبیاء کلام میں ان کا مرتبہ تمام
 ولیوں اور فرشتوں سے بالا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رسالتوں سے نوازا اور انہوں نے اللہ

کے احکام اس کے بندوں تک پہنچائے اور وہ خود بھی احکام الہی بجالائے ان پاک ہستیوں نے اپنے لیے بھی یہ حق باقی نہ رکھا کہ وہ عبادت میں خدا اور اس کے بندوں کے مابین اسطہ بنیں لوگوں کو کہیں کہ کچھ وقت تک ہماری عبادت کرو مرادیں ہم سے مانگو اپنا کارساز ہمیں سمجھو، ہماری عبادت کے توسط سے تم خدا کی عبادت کے لائق ہو گے۔ نہیں۔ جو گیوں کا یہ تصور برزخی اسلام میں نہیں ملتا اس کے برعکس قرآن کریم کہتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُوتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَ شَرِيعًا يَقُولُ
لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّاتِنِ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ
وَالنَّبِيِّينَ رِبًّا إِنَّكُمْ مُسْلِمُونَ (پہلے آل عمران ۱۵)
ترجمہ: کسی انسان کو پیسے اللہ تعالیٰ کتاب حکمت اور پیغمبری عطا کریں یہ
حق نہیں کہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کے سوا میرے بندے ہو جاؤ لیکن وہ یہ کہے
کہ تم خدا والے ہو جاؤ۔ جیسا کہ تم سکھاتے تھے کتاب اور تم خود بھی پڑھتے تھے۔
اور نہ یہ کہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو (خدا کے ماتحت چھوٹے) خدا ٹھہراؤ۔
کیا وہ تمہیں کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

ان نفوس قدس نے عبادت کو براہ راست خدا کا حق بتلایا جو مسلمان ہوا اسے عبادت
کے لیے پہلے دن بھی خدا کے حضور میں ہی کھڑا کیا اسے بتایا کہ وہ خدا کے سامنے پیش ہے
وہ خود (انبیاء کرام) خدا کی راہ بتانے والے ہیں عبادت میں خدا اور بندے کے درمیان
مرکز توجہ بننے والے نہیں کہ وہ بندہ ان کا تصور عبادت کرنا پڑے نماز ابتدائی درجے میں بھی
ایک خدا کی عبادت ہے۔ اور انتہائی درجے میں بھی اسی ایک پروردگار کی بندگی ہے۔
ہر گناہ گار سے زیادہ گناہ گار کا بھی وہی ایک خدا ہے اور انبیاء و مرسلین کا بھی وہی ایک
معبود ہے ہر ادنیٰ بھی اس کے آگے جھکتا ہے اور حضرت جبریل امین اور حضور مآب النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں
 نماز میں ارادہ عبادت کی یہ انتہائی حالت جسے صوفیہ کرام و جمہ اللہ ہمت سے تعبیر
 کرتے ہیں صرف ایک خدا کیلئے ہے اسے نماز میں کسی اور طرف پھیرنا۔ صرف ہمت کرنا۔
 اور عبادت میں تصور ہرزخی قائم کرنا قطعاً غلط ہے اسلام میں یہ ہرگز روا نہیں تصور ہرزخی
 اور صرف ہمت تو درکنار اسلام میں اتنی بھی گنجائش نہیں کہ امام نماز میں کسی محترم شخصیت
 کے لیے کوئی رعایت برت سکے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ نماز
 میں کسی شخص کے ساتھ خاص تعلق کا لحاظ برتنا یا خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی کے لیے کوئی
 عمل کرنا اس میں شرک کا اندیشہ ہے کہ نماز میں اتنا عمل اس نے غیر خدا کے لیے کیا۔
 کیا امام کسی شخص کی رعایت کے لیے کوع کو اتنا لبا کر سکتا ہے کہ اسے رکعت مل
 جائے خصوصاً جب کہ امام اسے جانتا ہو اور اس کی خوشنودی پیش نظر ہو ؟ علامہ خطابؒ
 (۳۸۸ھ) اس مسئلہ میں لکھتے ہیں۔

کرہہ بعضہم وقال اخاف ان یکون شرکاً وھو مذہب مالک
 ترجمہ ۱۔ بعض آئمہ اسے مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس
 پر شرک کا اندیشہ ہے اور یہی حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا مذہب ہے
 ملک الطیار علامہ کاسانی (۵۸۷ھ) البدائع والاصناف فی ترتیب الشرائع میں
 حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اس مسئلے میں حضرت
 امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور قاضی ابن ابی لیلیٰ (۱۷۳ھ) سے دریافت کیا تو
 دونوں نے اسے مکروہ تحریمی کہا۔ امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کا فتویٰ بھی یہی ہے اور یہی
 امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کا آخری فیصلہ تھا۔

علامہ ابن نجیم (۷۹۹ھ) فقہ ابوالملیک سے نقل کرتے ہیں :-

یُطِلُّ الرُّكُوعَ لِادِّهَارِ الْإِجَائِ إِذَا الْمَعْرِضُ فَانْ عَرَفَهُ فَلَا وَالْأُجْنِفَةَ مَنَعَ مِنْهُ مَطْلَقًا۔

ترجمہ :- آنے والا رکوع کو پالے اس کے لیے رکوع کو تب لمبا کرے جب آئینا لے کو پہچانتا نہ ہو اگر پہچانتا ہو تو اس کے لیے رکوع کو ہرگز لمبا نہ کرے اور امام ابوحنیفہؒ تو ہر حال میں اسے منع کرتے ہیں محدث جلیل ملا علی قاری علیہ رحمۃ الہی (۱۰۱۲ھ) رقمطراز ہیں :-

الْمَذْهَبُ عِنْدَنَا أَنَّ الْإِمَامَ لَوْ اطَّلَ الرُّكُوعَ لِادِّهَارِ الْإِجَائِ لَا تَقْرَبُ بِالرُّكُوعِ اللَّهُ تَعَالَى فَمُكْرَهُ وَمُكْرَاهَةُ تَحْرِيمٍ وَبِخَشْيِهِ عَلَيْهِ مِنْ أَمْرِ عَظِيمٍ۔
ترجمہ :- ہمارے ہاں فیصلہ یہی ہے کہ امام نے آئینا لے کے لیے اگر رکوع لمبا کر دیا کہ اس میں قرب الہی مقصود نہ تھا تو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس پر اس سے بھی زیادہ امر (کفر) کا خطرہ ہے۔

صاحب درمختار علامہ الفقیہ علاء الدین (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں :-

وَكُرْهُ تَحْرِيمًا أَطْلَقَهُ رُكُوعًا وَقَرَأَهُ لِادِّهَارِ الْإِجَائِ إِيَّانَ عَرَفَهُ وَالْأُجْنِفَةَ بَأْسٌ بِهِ تَلَهُ

ترجمہ : کسی آئینا لے کے لیے رکوع کو طول دینا یا قرآن لمبی کرنا

مکروہ تحریمی ہے یہ اس صورت میں کہ آئینا لے کو پہچانتا ہو ورنہ نہیں۔

یہ وہ اساطین اُمت اور ائمہ دین ہیں جن پر اسرار شریعت کھلے ہیں سب کہتے ہیں کہ نماز میں تعلق خاص کی بنا پر کسی کی طرف توجہ اور اس کی رعایت کسی عام شخص کی رعایت کہنے سے زیادہ مضر اور ضرر رساں ہے اور تو اور مولانا احمد رضا خاں بھی لکھتے ہیں

لے البحر الرائق جلد ۲ ص ۲۴۷ لے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۳ ص ۹۰ لے درمختار جلد ۲ ص ۲۴۲

اگر خاص کسی شخص کی خاطر اپنے کسی علاقہ خاصہ (خاص تعلق عقیدت) یا خوشامد (تعظیم) کے لیے منظور ہو تو ایک بار تسبیح کی قدر بھی بڑھانے کی اجازت نہیں بلکہ ہمارے امام اعظم نے فرمایا کہ بیخشی علیہ امر عظیم یعنی اس میں شرک کا اندیشہ ہے کہ نماز میں اتنا عمل ہے غیر خدا کے لیے کیا۔ اور اگر خاطر خوشامد (تعظیم) مقصود نہیں بلکہ عمل حسن پر مسلمان کی اعانت۔ اور یہ اس صورت میں واضح ہوتی ہے کہ یہ اس آنے والے کو نہ پہچانے یا پہچانے اور اس کا کوئی تعلق خاص اس سے نہ ہو نہ کوئی غرض اس سے الگی ہو تو رکوع میں دو ایک تسبیح کی قدر بڑھا دینا جائز ہے

مولانا احمد رضا یہ کہہ رہے ہیں کہ نماز میں کسی ایسی شخصیت کا لحاظ جس سے خاص تعلق و عقیدت ہو نماز کے روحانی مدارج کو بہ نسبت کسی عام آدمی کی رعایت کے چسے آپ پہچانتے نہ ہوں زیادہ برباد کرتا ہے پہلی صورت میں اس تعظیم سے خداوندی تعظیم میں شرک کا اندیشہ ہے دوسری صورت میں یہ اندیشہ نہیں ہے کیونکہ یہاں تعظیم یکسر مفقود ہے اور شرک کا کوئی خطرو نہیں گو یہ بات بھی پسندیدہ نہیں یہی بات حضرت شاہ اسماعیل محدث دہلویؒ نے کہی تھی کہ نماز میں اپنے پیرو و مرشد یا کسی ولی اور بزرگ کی طرف توجہ جانا کسی عام چیز کے خیال کی نسبت زیادہ مضر ہے کیونکہ پہلی صورت میں اس تعظیم سے خداوندی تعظیم میں شرک کا احتمال ہے جو دوسری صورت میں یکسر مفقود ہے اصولاً مولانا احمد رضا خاں نے وہی بات کہی ہے، جو شاہ صاحب نے کہی تھی اور فقہ حنفی میں بھی اس کی واضح تائید موجود ہے۔

مولانا احمد رضا خاں یہ نہیں کہہ رہے کہ جو شخص تعظیم و عقیدت کے لائق ہو اس سے اس عام آدمی کا درجہ زیادہ ہے جسے آپ جانتے نہ ہوں یا جانتے ہوں مگر وہ

آپ کے ہاں لائق تعظیم نہ ہو۔ عاشقان کی مراد یہ نہیں درجہ میں وہی زیادہ ہے جس سے آپ کا تعظیم کا تعلق ہے اور وہ کسی بات میں شرف و فضیلت رکھتا ہے مسئلہ مذکورہ میں تقابل دونوں کے درجوں کا نہیں موضوع متعلق یہ تھا کہ نماز میں کسی کی طرف حود توجہ جمانا یا اس کی رعایت کرنا نماز کے لیے زیادہ آفت ہے، یا محض کسی کا خیال آجانا زیادہ آفت ہے؟ کہاں مشرک کا زیادہ اندیشہ ہے اور کہاں نہیں؟ مولانا احمد رضا نے یہ اصولی بات کہی ہے کہ نماز میں کسی عظیم ہستی کی طرف توجہ اور رعایت کسی عام آدمی کی رعایت سے زیادہ خطرناک ہے۔ نماز میں خدا کے سوا کسی کی تعظیم جائز نہیں۔

کوئی شخص مولانا احمد رضا پر یہ الزام لگائے کہ انہوں نے عظیم ہستیوں کی شان عام آدمیوں سے کم کر دی ہے کہ عظیم ہستیوں کی رعایت سے تو مشرک کا اندیشہ بتلایا اور عام آدمیوں کی رعایت جائز بتلائی تو یہ الزام لگانے والے کی زیادتی ہوگی کیونکہ یہ افراد کا افراد سے یا شخصیت کا شخصیت سے مقابلہ نہیں نہ عظیم ہستیوں کا عام انسانوں سے تقابل ہے تقابل نماز میں عظیم ہستیوں کی طرف توجہ باندھنے اور عام آدمیوں کی رعایت کرنے میں ہے دو متقابل افراد میں نہیں صرف دو متقابل صورت حال پیش نظر ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز میں تعلق عقیدت کی بنا پر کسی کی طرف توجہ باندھنا اور اس کی رعایت کرنا کسی عام شخص یا معمولی چیزوں کے دھیان کی نسبت زیادہ ضروری ہے کمزور کی رعایت بھی مثبت صورت میں پسندیدہ نہیں ہاں اس قدر نقصان دہ نہیں جتنی عظیم شخصیتوں کی نماز میں رعایت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

نماز میں کسی کمزور کی رعایت مثبت صورت میں تو پسندیدہ نہیں لیکن منفی صورت میں یہ محمور ہے اور خود شریعت نے اس کی تعظیم دی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اقر احدكم الناس فليخفف فان فيهم الصغير والكبير والضعيف

والمرضى - (مجمع مسلم جلد ۱ ص ۱۸۵)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی جماعت کرائے تو تخفیف سے کام لے کیونکہ نمازیوں میں بچے، بوڑھے، کمزور اور مریض سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔
یہی وہی شریعت جس نے کسی عظیم اور ذی وجاہت شخصیت کے لیے قرأت اور رکوع کو لبا کرنے پر شرک کا اندیشہ بتلایا تھا۔ اس نے کمزور کی رعایت کی جو تعلیم دی ہے کیونکہ کمزور کی رعایت میں تعظیم کا کوئی پہلو نہیں لیکن کسی ذی وجاہت شخص کے انتظار میں اس کی تعظیم لپٹی ہے محض رعایت عبادت کے اتنا قریب نہیں جتنی تعظیم عبادت کے قریب ہے۔
محدث جلیل سیدنا ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں :-

فرق بین تخفیف الطاعة وترك الاطاعة لغرض و بین اطلاق العبادۃ بسبب شخص فانه من الرياء المتعارف وقال الفضیل مبالغاً العبادۃ یغیر الله شرک - (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ منہ)

ترجمہ: عبادت میں کمی کر دینے اور کسی مصلحت سے اسے لبا نہ کرنے میں اور کسی شخص کے لیے عبادت کو لبا کر دینے میں بڑا فرق کیا گیا ہے یہ دوسری صورت کھلی رہا ہے حضرت فضیل زور دار انداز میں فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنا شرک ہے۔

حضرت فضیل نے یہاں کسی ذی وجاہت شخص کی نماز میں رعایت کو اس کی عبادت سے تعبیر کیا ہے اور یہ وہی بات ہے جو حضرت شاہ اسماعیل محدث دہلویؒ اور مولانا احمد رضا خاں نے کہی تھی کہ نماز میں کسی عظیم شخصیت کی طرف توجہ اور رعایت کسی عام شخص یا چیز کی طرف دھیان چلا جانے سے زیادہ مضر اور ضرر رساں ہے کیونکہ پہلی صورت میں شرک کا اندیشہ ہے جو دوسری صورت حال میں نہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے ایسی صورت میں کہ مثبت پیرایہ عمل کسی تعظیم کا موجب

نہ ہو اس کی کچھ اجازت بھی دی ہے مگر اسے نہ کرنا بہر حال ادلیٰ فرمایا ہے آپ لکھتے ہیں :-
 ان کان لا یعرف الجائی فلا یأمن ان یطیل والاصح ان ترکہ اولیٰ لہ
 توجہ :- اگر وہ امام آئے والے نمازی کو پہچانتا نہ ہو تو اس کے لیے قرأت یا
 رکوع لمبا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی نہ کرنا چاہیے

نماز میں سترہ کی طرف دھیان

سترہ وہ پردہ یا رکاوٹ ہے جسے محمدؐ کے فاصلے پر نمازی آگے رکھ لے اور جس کے
 آگے سے گزرنے والا گزرے تو گناہ گار نہ ہو مسجدوں اور مکانوں میں دیواریں سترہ ہوتی ہیں
 لیکن میدانوں اور کھلی جگہوں میں نماز پڑھنے والے اپنے آگے کوئی پھڑی وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔
 نمازی کے آگے سترہ کسی معمولی چیز کا ہو جس کی تعظیم پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو یا اس کے
 آگے ہونے سے اس کی عبادت کا شبہ پیدا نہ ہو سکے تو یہ جائز ہے لیکن کسی آدمی کو سترہ بنا کر
 آگے رکھ لیا جائے تو اس میں اس کی تعظیم کا احتمال عبادت کو آلودہ کر دے گا۔ حضور اکرمؐ نے تو
 یہاں تک احتیاط برتنے کی تعلیم دی کہ سترہ کے طور پر اپنے سامنے جو چیز رکھو اسے بھی عین
 اپنے سامنے نہ رکھو ذرا بائیں طرف کر لو اس میں یہ حکمت تھی کہ سترہ کی طرف توجہ نہ ہو سکے
 اور تعظیم و عبادت کا وہ تصور راہ نہ پاسکے جو مشرکین کے ہاں رائج تھا وہ بتوں کے بالکل سامنے
 کھڑے ہوتے تھے اور بت بھی محض لکڑی کی پھڑی کا نام نہ تھا ان کی وضع انسانی صورتوں میں
 ہوتی تھی۔ امام نسائی (۳۰۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اذا صلی احدکم الی عمود او ساریۃ او الی شیء فلا یجعلہ بین
 عینیہ ولیجعلہ علی حاجبہ الایسر

لہ (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ منہ) ۱۸ سنن نسائی جلد اول ص

توجہ :- جب تم میں سے کوئی کسی عمود یا ستون یا کسی اور چیز کی طرف
دُخ کر کے نماز پڑھے تو اس چیز کو پوری طرح اپنے سامنے نہ رکھے بلکہ ذرا
بائیں طرف کر لے۔

یہ تو عمود یا ستون یا کسی لکڑی وغیرہ کی بات تھی جو انسان سے کم درجہ کی مخلوق ہیں
جب ان کے بارے میں یہ احتیاط ہے تو کسی انسان کو سامنے بٹھا کر یا اسے سامنے بیٹھا تصور
کر کے یا اپنے پیر کی طرف توجہ باندھ کر نماز پڑھنا کس طرح درست ہوگا؟ یہ بہت سوچنے
کی بات ہے پوری احتیاط چاہیے کہ نماز میں اللہ کی تعظیم کے ساتھ کسی اور کی تعظیم راہ نہ
پلے نہ نمازی کسی اور طرف اپنی توجہ جما سکے۔

حضرت عمرؓ کا فتویٰ

ایر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو
بطور سترہ سامنے کر کے نماز پڑھ رہا ہے۔ آپؓ نے دونوں کو دروں کی سزا دی نماز پڑھنے والے
کو سزا دیا۔

أَتَسْتَقْبِلُ صُورَةَ فِي صَلَاتِكَ (ترجمہ) تو نماز میں کسی بت کو آگے کئے ہوئے تھا؟

اور آگے سترہ بننے والے کو فرمایا:

أَتَسْتَقْبِلُ الْمُصَلِّ بَوَجْهِكَ (ترجمہ) کیا تو اپنے چہرے کو نمازی کا قبلہ بنا رہے ہو؟

لیجیے جس شریعت میں پتھر کے ستون یا لکڑی کے عمود کو سترہ بنانا درست تھا اس میں
کسی انسان کو چہرے کے دُخ سے سترہ بنانا درست نہ رہا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس
شریعت میں پتھر یا لکڑی کا درجہ انسان سے زیادہ ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پتھر یا لکڑی

کی صورت میں ان چیزوں کے اکرام کا وہ احتمال نہیں جو ایک انسان دوسرے انسان سے برت سکتا تھا۔ جتنا کسی مخلوق کا درجہ زیادہ ہوگا اتنا ہی نماز میں اس کی طرف رُخ کرنا زیادہ ممنوع ہوگا۔

حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ ھ) کہتے ہیں۔

مرانی عمروانا اصلی فقال أقبر امامک فہانی۔ (المنصف لابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۳۹)

ترجمہ: میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھا تو فرمایا تیرے سامنے قبر ہے آپ نے مجھے منع کیا کہ قبر سامنے رکھ کے نماز پڑھوں کسی مسلمان کی قبر عام پتھر یا لکڑی سے زیادہ قابلِ احترام ہے۔ مگر اس کی طرف رُخ کر کے یا اسے سترہ بنا کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو جب سترہ بنانے کے لیے کوئی چیز نہ ملتی اور کسی انسان کو ہی سترہ بنانا پڑتا تو آپ اسے اپنی طرف پشت کرنے کو کہتے تاکہ نماز میں اس کا چہرہ سامنے نہ آ سکے آپ اسے فرماتے:-

وَلَنِي ظَهْرُكَ - المنصف لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۹ - کان يقعد سر جلد فیصلی

خلفہ جلد ۲ ص ۲۸)

ترجمہ: تو اپنی پشت میری طرف پھیر لے۔ آپ اسے ہٹا کر اسکے پیچھے نماز پڑھتے

حضرت عثمانؓ کا فتویٰ

کرہ عثمان ان يستقبل الرجل وهو يصلو وإنما هذا اذا اشتغل به فاما اذا لم يشتغل به فقد قال زيد بن ثابت ما باليت ان الرجل لا يقطع صلوة الرجل (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۲۶)

ترجمہ: حضرت عثمان اس بات کو کہ نماز میں کوئی آدمی سامنے ہو برائے

تھے (امام بخاری کہتے ہیں) یہ تب ہے جب نماز پڑھنے والے گا اس کی طرف دھیان ہو لیکن اگر وہ اس کی طرف مشغول نہ ہوتے پائے تو پھر یہ مکروہ نہیں حضرت زید بن ثابتؓ کہتے تھے میں اس میں عرج نہیں سمجھتا، آدمی دوسرے آدمی کی نماز کو نہیں توڑتا یعنی اس کی طرف دھیان باندھنے کے بغیر اس کی تنظیم کو کوئی احتمال نہیں حضرت عثمانؓ سے اس فتوے کی قاضی عیاضؒ (۲۴۵ھ) نے جہور علماء سے تائید نقل کی ہے۔
وحکاه القاضی عیاض عن عامة العلماء وتامام فی الحلیۃ

حضرت علی مرتضیٰ کا فتویٰ

منہزار میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کی طرف رخ کئے نماز پڑھتے دیکھا آپ نے اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ حضرت ملا علی قاریؒ کہتے ہیں اس کراہت کو دور فرمانے کے لیے اسے نماز دوبارہ پڑھنے کا امر کیا ہے ہو سکتا ہے کہ اس دوسرے شخص کا چہرہ اس نماز پڑھنے والے کی طرف ہو۔

علامہ علیؓ نے شرح منیہ میں اسے مرفوعاً نقل کیا ہے

قال فی شرح المنیہ وهو عمل ما رواہ البزار عن علی ان النبی ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام رای رجلاً یصلی الی رجل قامہ ان یتعبد الصلوٰۃ

حضرت علی مرتضیٰ نے یہ بھی فرمایا

لا تصل تجاهه خش ولا حمام ولا مقبرة

حضرت امام عہد ۱۶۹ھ کتاب الاصل میں یہاں تک کہ امام

لہ رد المحتار جلد ۱ ص ۶۰۲ عم شرح نقایہ جلد ۱ ص ۹۶ رد المحتار جلد ۱ ص ۶۰۳ عم المصنف لابن ابی شیبہ ص ۲۸۵

لوگوں سے کوئی بات کرنا چاہے تو اسے لوگوں کی طرف رخ کر نیکی صرف ہی صورت میں
اجازت ہے کہ کوئی اس کے آگے نماز نہ پڑھ رہا ہو۔

حضرت امام شافعیؒ کا فتویٰ

علامہ شامیؒ کتاب الذیفرہ سے نقل کرتے ہیں :-

هَذَا هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ وَجْهُهُ مُقَابِلَ وَجْهِهِ الْأَمَامِ
فِي حَالَتِهِ قِيَامَهُ بِكِسْرَةٍ وَلَوْ بَيْنَهُمَا صُفُوفٌ^۱

حضرت علامہ عینیؒ نے اسی اصول پر سترہ کا مسئلہ اس طرح بیان کیا ہے:
حضرت علامہ عینیؒ کا برخیزہ سے نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی انسان سترہ کے طور پر نماز
کے آگے ہو تو نماز صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ اس کی پشت نماز کی طرف ہو اگر
چہرہ نماز کی طرف ہو گا تو اس کی تعظیم اور اکرام کا احتمال ہے۔
وَجَوِّزَ بَظَرْ الرَّجُلِ وَمَنْعَ بَوَاجِهُ^۲

آدمی کی پشت کو سترہ بنانا تو جائز ہے لیکن اسے چہرے کے رخ سے سترہ بنانا جائز نہیں۔
علامہ عینیؒ کے اس فتوے کا یہ معنی نہیں کہ انسان کی پشت اس کے چہرے سے افضل
ہے حاشا ایسا ہرگز نہیں اگر کوئی شخص ان کے ذمہ یہ بات لگائے تو یہ اس کی زیادتی ہوگی
امام شافعیؒ تو مطلقاً فرماتے ہیں کہ کسی آدمی یا زندہ جانور کو سترہ نہ بنایا جائے کیونکہ
اس میں شرک کا ایہام ہے ملا علی قاری ان سے نقل کرتے ہیں :-

لَا يَسْتَعْبَلُ لَهُ أَنْ تَكُنْ بَدَنِيٍّ أَوْ حَيَوَانٍ لَشَبْهَةِ لِعِبَادَةِ عَابِدِي الْأَصْنَامِ^۳
ترجمہ: نماز کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی انسان یا کسی زندہ جانور کو
نماز میں سترہ بنائے کہ اس میں بُت پرستوں سے مشابہت ہوگی۔

حضرت امام شافعیؒ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ نمازی کی نگاہ موضع سجود میں جہاں سترہ ہے کسی عظیم مخلوق پر ہونے کی بجائے کسی عام مخلوق پر رہے تو ادنیٰ درجے کا یہ دھیان نماز کی اتنی بڑی آفت نہیں کسی اعلیٰ مخلوق پر دھیان باندھنا نقصان دہ ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم کا احتمال ہے جو نماز میں صرف خدا کے لیے ہونی چاہیے تھی۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۵ م) سے منقول ہے۔

انہ کان یکرہ ان یصلی الرجل فی قبالۃ المسجد مصحف لہ

ترجمہ: حضرت ابراہیم اس بات کو بُرا مانتے تھے کہ نمازی کے آگے قبلہ کی

طرف قرآن شریف رکھا ہو۔ لہ المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۴۵

حیوانات کا درجہ نباتات سے زیادہ ہے حضرت جابر بن زید (۲۰ م) اس

بات کو تو پسند کرتے تھے کہ نباتات پر نماز پڑھ لی جائے لیکن اسے پسند فرماتے کہ کسی

حیوان پر نماز ادا کی جائے۔

ان جابر بن زید کان یکرہ الصلوۃ علی کل شیء من الحيوان ومیستحب

الصلوۃ علی کل شیء من نبات الارض۔ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۰۵)

اسلام میں جب یہاں تک احتیاط ہے تو کسی زندہ پیر کو آگے بٹھا کر یا اس کی قبر کو

قبلہ بنا کر یا اس کی طرف توجہ جما کر نماز پڑھنا یا ذکر الہی کرنا کیسے درست ہے مولانا احمد رضاؒ

نے بھی نماز میں کسی عظیم شخصیت کی طرف توجہ باندھنے یا اس کی کوئی رعایت کرنے کی اجازت

نہیں دی۔ اور اس کی بجائے کسی عام آدمی کی رعایت کو نماز میں کم خطرہ بتلایا ہے آپ

کے خلیفہ مولوی امجد علیؒ یہاں تک لکھتے ہیں کہ :-

نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود پڑھنا نماز جاتی رہی۔ (بہار شریعت جلد سوم ص ۱۰۵)

کی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ امجد علی صاحب نے درود شریف کی توہین کر دی۔ یہاں نماز

ٹوٹنے کا سبب درود شریف نہیں، درود شریف تو نماز میں خود موجود ہے یہاں نماز ٹوٹنے

کی وجہ نمازی کا اس شخص کی طرف پورا دھیان کرنا اور اس کے آپ کا نام لینے کا جواب دینا ہے۔ اس کی اس طرف توجہ اس کی ذات کے لیے نہ ہوئی تھی جیسے کہ حرام میں ہوئی مگر نماز پھر بھی جاتی رہی۔

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمانؓ

نماز میں خیال آنے اور لانے میں فرق

سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من تَوَضَّأَ نَحْوَ وَضُوئِ هَذَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

ترجمہ :- جو شخص میرے اس وضوء کی طرح وضوء کرے اور پھر دو رکعت ایسی پڑھے کہ ان میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں حدیث نفس (اپنے دل سے باتیں کرنے) سے مراد حدیث مجتبىٰ اور مکتسب ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو انسان کھینچ کر اور اپنے دل سے لئے۔ جو بات دل میں از خود آجائے وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ علامہ عینیؒ کہتے ہیں :

ان حدیث النفس قسمان مایہ جمع علیہا ویتعذر دفعها وما یستقل معها ویمكن قطعه فیجعل الحدیث علیہ دون الاول لیسرا اعتباراً

دل سے باتیں کرنا دو طرح سے ہے جو بات دل پر خود ہجوم کرے اور اس کا روکنا مشکل ہو اور جو دل کے ساتھ آہستہ آہستہ چلے اور اسے ہٹانا ممکن ہو۔ حدیث اس معنی پر معمول ہوگی۔ پہلے معنی پر نہیں کیونکہ اس کا اعتبار ناممکن ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں :

صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اپنے دل سے باتیں نہ کرے دل میں ادھر ادھر کے خیال نہ پکائے۔ ایسا ترجمہ نہ کرنا چاہیے کہ دل میں کوئی دوسرا خیال نہ آئے کیونکہ اول اس کا کسب ہے جس کا یہ مکلف ہو سکتا ہے اور ثانی میں اس کا کسب نہیں۔ بلا قصد و اختیار ایک چیز آجاتی ہے لہذا اس کا مکلف ہی نہیں ہونا چاہیے۔ اسی لیے یہاں لایحدث فرمایا لایخطر فی نفسہ نہیں فرمایا معلوم ہوا کچھ کسب کو دخل ہوتا ہے بعض دفعہ ابتداء خیال آتے ہیں پھر یہ ڈھیل دیتا ہے اور اپنی طرف سے تعمیر کرتا جاتا ہے یہ بھی تکسب اور تحدیث میں داخل ہو جائے گا۔

ان تشریحات سے پتہ چلتا ہے کہ خیال آنے اور خیال لانے میں شروع سے ہی علماء فرق کرتے چلے آئے ہیں جب خیال لانے کو بھی پسند نہیں کیا گیا تو خیال جانے اور خیال باندھنے کی کوئی صحت جواز کیسے نکل سکتی ہے۔ شارع علیہ السلام کا منشا تو یہ ہے کہ اپنے ارادے سے اپنے دل کو کسی اور طرف متوجہ نہ کرے۔

نماز میں خیال آنے اور توجہ جانے میں فرق

نمازی اگر ارادۂ نیت نہ بدلے اور صرف ہمت نہ کرے کہ ارادۂ توجہ خدا سے پھیر کر کسی اور ذی احترام شخصیت جیسے اپنے مرشد بزرگ یا کسی فرشتہ پر لگا دے اور خیالات قصد دل پھرنے کے بغیر از خود آنے لگیں یا قرأت کے دوران خیال ان وادیوں میں گھومنے کے جن کا ان آیات میں ذکر ہو تو اس پر ملامت نہیں۔ فضا میں کہیں ماروج یا فرشتوں کا نزول ہو اور نمازی کو ان کا کشف ہونے لگے تو اس خیال اور کشف سے تشویش میں نہ پڑے

خیال آنے اور خیال لانے میں بڑا فرق ہے خیالات بلا توجہ باندھے از خود آنے لگیں یا بغیر قصد دل فرشتوں کا کشف ہونے لگے اس میں اور خدا تعالیٰ سے ہمت پھیر کر اسے کسی اور طرف لگا دینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ (۱۸۳۳ء) کی صراطِ مستقیم میں ہے:-

”اہل مکاشفات یہ خیال نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح یا فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کو حاصل کرنا ہے جو مومنوں کی معراج ہے، نہیں ہرگز نہیں۔ نماز میں یہ توجہ کہ قصدِ خدا سے رخ پھیر کر دوسری طرف دھیان چلائے، یہ بھی شرک کی ایک شاخ ہے خواہ وہ مخفی ہو یا اخفی۔ یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح یا فرشتوں کا کشف نماز میں بڑا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت (قصد دل) کو اس کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اس دعا کو ملا دینا مجلس لوگوں کے خلوص کے خلاف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاعلہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق با اخلاص لوگوں کو نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں پس یہ ان کے حق میں ایک ایسا کمال ہے کہ مثال کے موقع پر مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آگیا“ (صراطِ مستقیم، اردو ترجمہ ص ۹۷)

جو لوگ آخرت سے بے خوف ہو کر حضرت شاہ اسماعیل محدث دہلویؒ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ ان کے نزدیک نماز میں شیخ یا زردگان دین کا خیال آجانا گدھے اور بیل کا خیال آجانے سے بھی بُرا ہے۔ وہ اس عبارت کو غصہ سے پڑھیں حضرت شاہ صاحب نے کس نفیس پیرایہ میں ان کے خیال آجانے اور ان کے دکھائی دینے کو خدا تعالیٰ کے انعامات میں سے شمار کیا ہے اہل اللہ کو نمازیں ارواح اولیاء کرام اور فرشتوں سے ملاقاتیں سمجھنے لگیں تو یہ مقام مولانا اسماعیل شہیدؒ کے نزدیک خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک

خلعت نافرہ ہے۔ مولانا جس بات کو شرک بتا رہے ہیں خواہ وہ کتنا خفی کیوں نہ ہو وہ یہ ہے کہ نمازی خدا سے ارادۂ توجہ پھیر لے اور قصد دل کو اپنے شیخ یا بزرگ یا کسی فرشتے کی طرف لگا دے کیونکہ اس صورت میں اس کی نماز صرف خدا کی عبادت نہ رہے گی بلکہ اس میں ان بزرگوں کی تعظیم بھی شامل ہو جائے گی۔ مرشدانِ برحق اس قسم کے شیطانی خطروں سے مریدوں کی نماز کی اصلاح کرتے ہیں تاکہ ان کی نماز حقیقی طور پر مومن کی معراج بن جائے۔

نماز میں کسی لائق احترام شخصیت کی طرف عملاً توجہ دینا اور محبت کو لگا دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل محدث دہلویؒ اور مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ دونوں کا اس پر اتفاق ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک اس پر شرک کا اندیشہ بتلاتے ہیں امام ابو یوسف اور امام شافعی اسے حرام کے قریب بتلاتے ہیں اور فقہاء و محدثین اور اہل باطن اولیاءِ کرام سب اس پر متفق ہیں کہ نماز ابتداء سے لے کر انتہا تک سب عبادت ہے اور ایک خدا کی عبادت ہے اس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں نہ کوئی فرشتہ نہ پیغمبر نماز میں کسی انسان سے خطاب کرنا جائز نہیں۔ پوری نماز خدا کی بندگی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا حق اطاعت ہے عبادت نہیں۔ عبادت صرف خدا کی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں نہ نماز میں بندے اور خدا کے درمیان کوئی برزخ ہے۔ بندہ براہِ راست خدا کے سامنے حاضر ہے اور آداب بندگی بجالا رہا ہے نماز میں قرب الہی جتنا زیادہ ہو تب جائے اتنی توجہ دوسری چیزوں کی طرف کم ہوتی جائے گی حضرت امام ربانی سیدنا محمد و الفاتحہؑ منسلک ہیں :-

وَفِي الْخُبْرِ اقْرَبَ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الْمَصَلَّةِ وَقَالَ اللَّهُ

تَعَالَى وَاسْتَسْجِدْ قَلْبًا قَرِيبًا وَلَا شَكَّ أَنْ كُلَّ وَقْتٍ يَكُونُ الْقَرِيبُ

إِلَهِهِ فِيهِ أَزِيدُ يَكُونُ مَجَالُ الْغَيْرِ فِيهِ أَشَدَّ انْقِطَاعًا فَفَهْمُ مَنْ

هَذَا الْحَدِيثُ وَهَذِهِ الْآيَةُ الْيُضَاهِيَانِ ذَالِكَ فِي الصَّلَاةِ - ۱۷

ترجمہ : حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے اور قرآن کریم میں ہے تو سجدہ کر اور قرب الہی میں بڑھتا چلا جا اور اس میں شک نہیں کہ نماز میں قرب الہی جتنا زیادہ ہوگا کسی اور کے نماز میں سامنے کی اتنی ہی سختی سے نفی ہوتی جائے گی۔

اس حدیث اور اس آیت سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مقام قرب نماز میں ملتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ نماز میں انہیں لشکر کی ترتیب بتلا دی جاتی تھی۔ اس قسم کی روایات کی وجہ سے بعض لوگ نماز میں اپنے بعض اہمہد کا محل تلاش کرنے لگتے ہیں اور خود بھی اپنی توجہ ان امور کی طرف لے جاتے ہیں اس دوسرے کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اپنے جیسا نہ سمجھو آپؓ قرب الہی کے اس اونچے مقام میں تھے، کہ اس قسم کی اسلامی مہمات کی تیاری ان کی نماز میں اثر انداز نہ ہوتی تھی اور ان اسلامی امور میں ان کا خلوص انتہائی درجے میں پہنچ چکا تھا کہ یہ اخلاص خود اللہ تعالیٰ سے وابستگی کا ایک کامل نشان تھا۔ لیجئے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ہی کہتے ہیں :

جو کچھ حضرت عمرؓ نے منقول ہے کہ نماز میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے تو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیئے۔

۷ کارپاکاں راقیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر (مولانا روم)
ترجمہ : بلند پاک ہستیوں کو اپنے جیسا نہ سمجھو اگرچہ کہنے میں شیر (جانور) اور

شیر (دودھ) ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت دونوں کی مختلف ہے حضرت خضر علیہ السلام کے لیے تو کشتی توڑنے اور بے گناہ بچے کو مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا (کیونکہ وہ یسوعیوں کی تعمیل کر رہے تھے) اور دوسروں کے لیے (ایسا کام) نہایت درجہ کا گناہ ہے۔ جناب فاروق اعظمؓ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری نماز میں غلغلہ انداز نہ ہوتی تھی۔ بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کر نیوالے امور میں سے تھی۔ اس لیے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو غواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کمال جاتا ہے وہ جانتا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی یہ عبارت بھی شہادت دے رہی ہے کہ آپ خیال کئے اور خیال لانے میں فرق کر رہے ہیں وہ خیال آنے کو بڑا نہیں کہہ رہے اسے ایک انعام شمار کرتے ہیں پہلی عبارت میں وہ اسے خلعتِ فاخرہ کہہ آئے ہیں جو حضور حق میں مستغرق باخلاص لوگوں کو عطا ہوتا ہے ہاں ارادۂ خیال لانے اور توجہ جانے پر آپ تنقید کر رہے ہیں اور نماز میں مشائخ اور بزرگوں کی طرف جس دھیان جانے کو انہوں نے گھر کی معمولی چیزوں سے بدتر کہا ہے وہ ان کا صرف خیال لانا بھی نہیں ان پر ارادہ عبادت سے پوری توجہ جانا ہے اور صرف توجہ جانا بھی نہیں اسے خدا تعالیٰ سے ہٹا کر بزرگوں پر لانا ہے اور یہ خیال سے کہیں آگے چوتھے درجے کی منزل ہے وہ اس عظیم خطرے سے سالکین کو جگا رہے ہیں ان کی حرج صرف ہمت پر ہے اور وہ ایک نہایت اونچے مقام میں اس موضوع پر بحث کر رہے ہیں اولیاء اللہ اس مقام پر جو بات کہیں اُسے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے ان پر اعتراض کرنے لگنا سعادت مندی نہیں۔

مولانا اسماعیل شہید خیال باندھنے کی خلاف

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ اصولی طور پر خیال باندھنے کے خلاف ہیں ان کے نزدیک خیال باندھنے کا یہ عمل جب اپنی قیود و شرائط سے اختیار کیا جائے تو اس میں شرک پیدا ہو جاتا ہے۔ مولانا جہاں کہیں اس قسم کے عمل کی تردید کرتے ہیں خیال کا لفظ استعمال نہیں کرتے خیال باندھنے کی تصریح کرتے ہیں ایک عبارت میں دودھ خیر بات کہنی ہو تو دونوں جگہ آپ خیال باندھنے کی تصریح کرینگے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس بحث میں خیال آنے کے الفاظ سے احتراز فرما رہے ہیں اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خیال آنے اور خیال باندھنے میں واقعی بڑا فرق ہے۔

صراط مستقیمؒ تو حضرت سید احمد بریلویؒ کے ارشادات کا مجموعہ ہے اور اس کی عبارت زیر بحث بھی مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تحریر کردہ نہیں مولانا عبدالحیؒ کی تحریر کردہ ہے لیکن تقویت الایمانؒ تو مولانا اسماعیل شہیدؒ کی ہی تالیف ہے اس میں خیال باندھنے کی شرک صورت اس طرح مرقوم ہے۔

”اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یاد دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور مجھ پر جو احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری اور تندرستی و کشائش و تنگی و مرنا و دنیا و غم و خوشی سب کی ہر وقت اسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے شرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔ اس کو اشرک فی العلم کہتے ہیں یعنی اللہ کا علم ثابت کرنا۔“

مولانا اسماعیل شہیدؒ نے خیال باندھنے کے ساتھ جو شرائط و قیود یہاں ذکر فرمائی ہیں ان شرائط و قیود کے ساتھ کسی کی صورت یا قبر کا خیال باندھنا اور اپنی پوری توجہ اس پر جمادینا اگر مشرک نہیں تو کون سا اسلام ہے اور کسی مخلوق کی طرف خیال باندھنے کا عمل اگر نماز میں کیا جائے تو یہ اعتقاد اسلام کے عقیدہ توحید کو بالکل پامال کیوں نہ کر دے گا۔

اس عبارت سے یہ بھی پتہ چلا کہ خیال باندھنا مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ہاں ایک خاص اصطلاح ہے وہ جہاں کہیں بھی خیال باندھنے کے عمل پر تنقید کریں 'زہ تمام شروط و قیود اس میں ملحوظ ہوں گی جو مولانا مرحوم نے یہاں ذکر فرمائی ہیں۔ خیال باندھنے کے اس عمل میں اور خیال آبانے میں کوئی ربط نہیں خیال آبانے کو وہ بعض صورتوں میں انعام الہی شمار کرتے ہیں لیکن ان شروط و قیود سے خیال باندھنے کی وہ کہیں اجازت نہیں دیتے۔

مرشدان باصفا اور مشائخ طریقت اپنے مریدوں کی تدریجاً اصلاح کرتے ہیں پہلے انہیں بڑے خطرے سے نکال کر چھوٹے خطرے میں لے جاتے ہیں اور پھر اس چھوٹے خطرے کے ازالہ کی بھی تدبیر فرماتے ہیں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی محامضت کا خیال بہتر ہے۔ (ملفوظات اردو ص ۹۷)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نماز میں بیوی کے خیال کو جائز بتایا ہے۔ نہیں۔ آپ یہ سمجھا رہے ہیں کہ زنا کے وسوسہ میں نماز سے بے پرواہی برتنے کے علاوہ ایک معصیت کی خلعت بھی شامل ہے اور دوسری صورت میں ایک دنیوی مباح بات کا خیال نماز کو حرج کر رہا ہے یہ ایک دنیوی بات کا تصور تو ہے لیکن گناہ کا تصور نہیں زنا کے خیال میں گناہ کا تصور بھی راہ پار ہا ہے بڑے خطرے سے نکال کر چھوٹے خطرہ میں لے آنا شائع کا ایک اصلاحی عمل ہے جو شخص گناہ کبیرہ سے بچنے کے لیے محنت کرے اللہ تعالیٰ پھر

اسے صغیرہ گناہوں سے بچنے کی بھی توفیق دے دیتے ہیں۔

اسی طرح حضرت سید احمد بریلویؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں اپنے شیخ یا اس لائق کے دوسرے بزرگوں کی طرف صرف ہمت کرنا یعنی دل کو ارادۂ خدا تعالیٰ سے پھیر کر ان بزرگوں پر لگا دینا خواہ وہ مقرب فرشتے روح الامیں ہی کیوں نہ ہو اپنے محاذِ فخر (دنیا کے مال) کے خیال میں مستغرق ہونے سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت سید صاحب نماز میں گاؤغز کے خیال آنے کو برا نہیں سمجھتے وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نماز میں دنیا کے خیالات سے ناز سے بے پروائی اور طبیعت کی آوارگی کا اظہار ہے اس میں شرک کا اندیشہ نہیں، آوارہ خیالات میں کسی کی تعظیم لٹی ہوئی نہیں یہ آوارگی ہے۔ اور بہت بُری ہے لیکن شرک نہیں۔ اور دوسری صورت میں شیخ کی طرف توجہ جب صرف ہمت کے درجہ میں ہوگی اور نمازی نماز میں خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ پھیر کر اپنے شیخ کی طرف متوجہ ہوگا تو شرک کی دلدل میں جاگے گا۔ اور ظاہر ہے کہ شرک میں مبتلا ہونا گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوبنے سے کئی درجہ بدتر ہے۔ اور یہ ایسا گناہ ہے جس کی کہیں بخشش نہیں۔

یہاں جس چیز کو بدتر کہا گیا ہے وہ شرک کا اندیشہ ہے شیخ نے بزرگوں اور فرشتوں کی شخصیات کو میرہ کو برا نہیں کہا نہ ان کا گاؤغز سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن خدا صفا اور تعصب کا ستیاناس کرے کئی لوگ اس عبارت کو ان دو مقامات کے موازنہ کے طور پر نہیں اسے شیخ و مرشد اور گدھے بیل کے موازنہ کے طور پر پیش کرتے ہیں اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے شیخ و مرشد کا مقام گدھے بیل سے بھی کم کر دیا حالانکہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے یا حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے خیال آنے پر یہاں جرح نہیں کی۔ خیال لانے پر کی ہے آپ نماز میں بزرگوں کے تصدقِ برزخی پر جرح کر رہے ہیں، کہ خدا تعالیٰ سے ارادۂ توجہ پھیر کر اسے ارادہِ عبادت کی انتہائی حالت کے ساتھ بزرگوں پر جما دیا جلتے یہ

خدا تعالیٰ کی عبادت میں اوروں کو شریک کرنا ہے اور شرک واقعی دنیا کی چیزوں کے خیال میں ڈوبنے سے بدرجہا بدتر ہے نماز میں صرف ہمت کسی طرح جائز نہیں۔

صرف کے معنی پھیرنے کے ہیں علم صرف میں لفظ مختلف صیغوں میں پھرتا ہے اس لیے اسے صرف کہتے ہیں۔ صرف دولت دولت کے مختلف ہاتھوں میں گردش کرنے کو کہتے ہیں۔ ہمت قصد دل کا نام ہے نماز میں ہمت ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کا نام ہے۔ یہ انتہائی حالت جب خدا سے متعلق ہو تو اسے اس سے پھیر کر اپنے شیخ و مرشد یا کسی ولی و پیغمبر پر لگا دینا صرف ہمت کہلاتا ہے ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی مسلمان ارادۃً اس عمل شرک کے لیے تیار ہوگا۔ پیاسے کو پیاس کے وقت صرف پانی کی ہی طلب ہوتی ہے۔ عابد کو عبادت کے وقت صرف معبود کی ہی طلب ہوتی چلیے۔ اس کی ”ہمت“ یہی ہو کہ دل خدا پر جماد ہے وہاں سے اسے کسی طرف نہ پھیرے اور صرف ہمت نہ کرے، حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں :-

الهمة عبادة عن اجتماع الخاطر وتأكد العزيمة بصورة
التمني والطلب بحيث لا يخطر في القلب سوى هذا المرد
كطلب العطشان الماء

حضرت عمرؓ کے ترجمہ شکر کا مطلب | شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
نہاتے ہیں :

حضرت عمرؓ کے قول انی لا جہز جیشی فی الصلوۃ (میں نماز میں اپنے لشکروں کو

لے دیکھتے منتخب اللغات ص ۳۳ لے غیاث اللغات ص ۴۵ مکتبی الادب

جلد ۱ ص ۱۳ لے منازل السائرین و مدارج السالکین جلد ۳ ص ۳۱ ، لکھ

مکتب البیروت ص ۹۵ اس کا ترجمہ اس کتاب کے مکتب پر پہلے آچکا ہے

ترتیب دیتا ہوں) کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تجھیز بھیش کی صورتوں کو میں کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لاتا ہوں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کا القاء و الہام ہوتا ہے حضرت عمرؓ کے دل پر اس قسم کی واردات اور القاء و الہام کے واقعات بکثرت مشہور ہیں۔ چنانچہ پاسا ریتہ الجبل کا واقعہ آج تک زبان زدِ خاص و عام چلا آتا ہے حضرت حاجی املا اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فاروقِ اعظم کو نماز میں جو مومن کی معراج ہے ان باتوں کا الہام ہوتا تھا۔ اس کی برکت ہے کہ ان کے زمانے میں فتوحات بکثرت ہوئیں۔ کیونکہ جب خود اللہ تعالیٰ علیم و خیر اپنے مخصوص بندہ کو ایسے خاص وقت میں (نماز میں) جہادِ تہابیرِ القار فرمائے اور عسکری انتظامات سمجھائے تو اس کی کامیابی یقینی اور فتح و نصرت لا بدی ہے۔ لہ

حضرت عمرؓ کا اللہ تعالیٰ سے خلوص اس انتہائی درجے میں پہنچ چکا تھا کہ ان اسلامی مہمات کی تیاری میں ان کا ذات باری میں دھیان اور جذب ذرا بھی متاثر نہ ہوتا تھا جس پر کوئی تدبیرِ ملامہ اعلیٰ سے اترے اور جو شخص خود کسی تدبیر کے درپے ہو دونوں کے مقامات میں فرق ہے حضرت عمرؓ عرفان کے اس اونچے مقام پر تھے کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو آپؐ یقیناً نبی ہوتے۔

یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور بچتہ ہے کہ نماز میں اپنی طرف سے کچھ خیالات پکڑنے یا اپنے شیخ و مرشد کے ذہنی نقشے جملانے بہ امور نماز میں ہرگز درست نہیں۔ خود کوئی خیال گزرے یا کوئی صورت سامنے آجائے تو انسان اس میں مکلف خود اس میں دھیان لگانا اور توجہ جمانا ضرور نماز کی آفت ہے۔ مولانا اسلمیل شہیدؒ تو نماز کے باہر بھی کسی حاجت اور ضرورت کے وقت اس خیال باندھنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

ایک دلچسپ سوال

اس اصول پر جب سب متفق ہیں کہ نماز میں محترم اور لائق تعظیم شخصیتوں کی طرف توجہ باندھنا عام آدمیوں کی رعایت کرنے کی نسبت سے زیادہ مضربے کیونکہ اس میں شرک کا اندیشہ ہے جو دوسری صورت میں نہیں اور اس اصول پر اکابر ائمہ کرام کے ساتھ حضرت شاہ اسماعیل محدث دہلویؒ اور مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ دونوں متفق ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ثانی الذکر نے حضرت شاد صاحبؒ کے اس بیان پر سخت تنقید کی ہے؟ جب ان کا اپنا عقیدہ بھی یہی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ تو اب شاد صاحب پر اعتراض کرنے کی کیا وجہ تھی؟

جواب۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عبارت بہت علمی اور اصطلاحات پر مشتمل ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کو صرف ہمت کے معنی معلوم نہ تھے۔ وہ نہ سمجھ سکے کہ یہ صوفیا کرام کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد ارادہ عبادت کی انتہائی حالت ہے انہوں نے اپنے

خیال سے اس کا ترجمہ خیال کیا۔ جو یقیناً غلط تھا۔ جب کوئی شخص ایسے موضوع پر بات کر جو اس کا فن نہیں تو اس سے عجائب و غرائب صادر ہوتے ہیں۔ پھر جب اس میں کچھ سیاسی تقاضے بھی لپٹے ہوں تو انسان بے نیکی ہانکنے سے نہیں جھکتا۔ نیک گمان یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو صرف ہمت کے اصطلاحی معنی معلوم نہ ہوں گے ورنہ وہ اتنی کمزور بات نہ کہتے انکو کتبۃ الشہابیا میں انکو کتبہ کی سفت الشہابیاہ مولوی صاحب کی علمی سطح کا پتہ دیتی ہے۔ معلوم نہیں شہاب میں صفتی معنی انہوں نے کہا سے دیکھ لیے۔

مولانا احمد رضا خاں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے بارے میں ہمیشہ شک اور

تردد میں رہے۔ ستر سے زائد وجوہ سے اعتراض کے باوجود آخر میں کہہ دیتے رہے ہو سکتا ہے مولانا اسماعیل کی مراد کچھ اور ہو لزوم والتزام میں فرق ہے اس سے گمان ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ان عبارات کو اچھی طرح نہ سمجھ پائے تھے پس اقلب یہی ہے کہ انہیں صرف ہمت کے معنی معلوم نہ ہوئے اور انہوں نے بے خبری میں حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت معنی مراد کے خلاف سمجھ لی ہو۔ اور اس پر یونہی اعتراض کر دیا ہو ہمارے اس خیال کی تائید ایک اور بات سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی

زیر بحث عبارت سے پہلے ایک اور نصیحت گزر چکی ہے کہ زنا کے دوسرے اپنی بیوی کی جماعت کا خیال بہتر ہے اس میں شاہ صاحبؒ ایک بڑے خطرے سے نکال کر چھوٹے خطرے میں لا رہے تھے۔ اور ان دو صورتوں کو آپ نے ایک دوسرے کے بالمقابل ذکر کیا تھا کہ کون سا خطرہ بڑا ہے اور کون سا چھوٹا۔ اسی طرح آگے جا کر شاہ صاحب نے پھر دو صورتیں تحریر کی ہیں نماز میں اپنے پیرو مشد کی طرف صرف ہمت کرنا یا نماز میں گھر کی نام چیزوں کا خیال آجانا اور ان دو کے بالمقابل ذکر کیا ہے کہ کون سا خطرہ بڑا ہے اور کون سا چھوٹا۔ پہلے کی دو متقابل صورتیں اپنی جگہ ہیں اور یہ دو متقابل صورتیں اپنی جگہ اس دوسری بحث میں زنا وغیرہ کے الفاظ کیسے مذکور نہ تھے۔ انہیں خواہ مخواہ اس میں بڑھا دیا گیا ہے۔

افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں یہاں بھی عبارات کو سمجھ نہ سکے اور دونوں بحثوں کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا۔ آپ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب الکوۃ الثبات میں لکھتے ہیں :-

مسلمانو! خدا را ان ناپاک شیطان کا مومن پر غور کرو
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نماز میں
خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے کسی فاحشہ

رہنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی بُرا ہے۔ لے

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے صرف ہمت کے الفاظ کو خیال کے لفظ سے نقل کرنا کوئی کم زیادتی نہ تھی پھر اسے ایک پھلی بحث سے بے تمک جوڑ کر اس عبارت کو اس اشتعال انگیز اور گستاخانہ پیرایہ میں بیان کرنا ظلم بالائے ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ مولانا احمد رضاؒ یہاں بھی فرق نہیں کر سکے کہ شیخ کے کلام میں یہ دو باتیں اپنی اپنی جگہ تھیں اور صرف ہمت والی بحث میں زنا وغیرہ کا کوئی ذکر نہ تھا مولانا کے انداز فہم سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لیتے تھے اور وہ حقیقتاً حضرت شیخؒ کی عبادت کو سمجھ نہیں پاتے تھے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عبادت میں نمازیں بزرگوں اور فرشتوں کی طرف صرف ہمت کرنے (اداء عبادت کی انتہائی حالت کے ساتھ توجہ جانے) پر جرح کی گئی تھی محض خیال آجانے پر جرح و قدح ہرگز نہ تھی خیال آجانا ایک قدرتی بات ہے اس پر اعتراض نہ تھا جب نماز میں انبیاء کرام اور ملکہ کے تذکرے آتے ہیں اور قرآن پڑھا جاتا جاتا ہے تو دوران نماز خیال ان کی طرف چلا جانا ایک فطری امر ہے جو نہ زیر بحث ہے نہ اس کا کسی نے انکار کیا ہے شاہ صاحب صرف ہمت پر بحث کر رہے تھے اور جاہل صوفیوں کے تصور برزخی کی تردید کر رہے تھے مولانا احمد رضا خاں نے صرف ہمت کا ترجمہ خیال کر کے اور اس اہل اللہ کی اصطلاح کو نظر انداز کر کے حضرت شاہ صاحب کے ذمے وہ بات لگائی ہے جو شاہ صاحب مرحوم نے ہرگز نہ کہی تھی، اور نہ اس کی کسی مسلمان سے توقع کی جاسکتی ہے۔

نماز میں حضورؐ کا خیال آنے کے بارے میں علمائے دیوبند کا فتوہ

حضرت مولانا امین الدین شہید کی علمی تراش اور فکر حریت کے وارث علماء دیوبند
متحہ دارالعلوم میں سوال آیا کہ نماز میں حضورؐ کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے؟
دارالعلوم کی طرف سے حضرت مفتی عزیر الرحمن صاحبؒ نے لکھا:

”جب نماز میں خود التحیات میں اور ورود شریف میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا ذکر ہے تو خیال آنا تو ضرور ہوا۔ باقی نماز خالص عبادت
اللہ کے لیے ہے۔ غیر اللہ کا خیال علی سبیل التعظیم والعبادہ نہ آنا چاہیے
اور نماز ہر حال میں صحیح ہے۔ کیونکہ خیال پر یا زبردست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ
اعلم۔ کتبہ عزیر الرحمن عفی عنہ“ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۱ ص ۲۲۳

یہ صحیح نہیں کہ علماء دیوبند نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق خیال
کو نماز کے مقام توحید کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جو بات نماز کے مقام توحید کے خلاف
ہے وہ صرف سمیت ہے کہ نمازی ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اسے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم پر مجاہدے مطلق خیال آنا یا بای نیت خیال لانا کہ توجہ خدا تعالیٰ
سے نہ ہٹے۔ اور اس نیت سے سلام عرض کرنا کہ اللہ کے فرشتے اسے حضور پر پیش کر
دیں گے ہرگز نماز کی آفت نہیں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

وفي الأحاديث وشرحها وحضر في قلبك النبي صلى الله عليه وسلم وشخصه
الكریم وقل السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته وليصدق املا في الله
والسلام وما بعده (بلفظ) صلى الله عليه وسلم في برزخه كما ورد في ذلك في
الصحيحه) وانه صلى الله عليه وسلم يرد عليك ما هو اوفى منه (وذلك بواسطة

ملکتہ وکلت للتبلیغ، قلت وهذا مثل ما تستعمل صیغ الخطاب
للبعید الغائب فی المکاتیب التي ترسل الیه
فنحن نقدر وقت الكتابة حضوره ومواجهته
محققین بوصول المکتوب الیه مع انه لیس بمحاضر

فالحال

فتح المہم جلد ۲ ص ۲۲

ترجمہ :- احیاء علوم دین میں ہے اے مخاطب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کی شخصیت کریمہ کو دل میں حاضر کر اور کہہ لے نبی آپ پر سلام
ہو۔ اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو اور تیری امید پوری ہو کہ
تیرا سلام و درود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں پہنچے
جیسا کہ اخبار صحیحہ میں آیا ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرے
سلام کا پورا پورا جواب دیتے ہیں اور یہ ان فرشتوں کی معرفت عمل
میں آتا ہے جو یہ پہنچانے پر مقرر کئے گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ اسی
طرح ہے جیسا کہ ہم خطوط میں غائب بعید کے لیے حاضر کے صیغہ استعمال
کرتے ہیں اور لکھتے وقت اسے حاضر تصور کر لیتے ہیں اور یہ کہ ہم
اس کے سامنے ہیں یہ یقین رکھتے ہوئے کہ خط اس تک پہنچ جائے گا
حالانکہ وہ اس وقت حاضر نہیں ہوتا۔

اس تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ علماء دیوبند نماز میں حضور کے مطلق خیال
کو قطعاً لائق اعتراض نہیں کہتے نہ حضور کی طرف توجہ کرنا ان کے ہاں کوئی تعیب
ہے بشرطیکہ اس میں صرف ہمت نہ ہو جس میں کہ توجہ خدا سے بھی ہٹ جاتی
ہے اور انسان شرک کی تاریک وادی میں جا گرتا ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ انسان
آپ کو بالفعل حاضر نہ سمجھے۔ اپنے ذہن میں حاضر کرے احضار یہی ہے۔ الحمد للہ

جو لوگ حضور کو حاضر و ناظر کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی انکار یہ عقیدہ قطعی نہیں محض غلطی ہے۔ لہذا یہ دلیل الہی کہتی ہے۔

” لازم نہیں ہے کہ آپ ہر ایک مغل میں بلاشبہ رونق افروز ہوتے ہیں بلکہ ہر مغل میں رونق افروز ہونا

مطلوبہ ہے۔“ رسول الکلام، ص ۱۴۹۔ تالیف ۱۳۰۰ھ مطبوعہ مطبعہ کریبی لاہور۔

وہ لفظ حاضر و ناظر سے اگر حضور و انوار بالذات مثل حضور و انوار باری تعالیٰ ہر وقت و ہر لحظہ مراد ہے تو یہ عقیدہ

محض غلط و مضی الی الشک ہے۔ ”اے اہل اسلام میں یہ عقیدہ کسی جاہل و احمق کا بھی نہ ہو گا۔“ رسول الکلام ص ۱۵۱

سو آپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر جانے بغیر یا اس اعتبار کہ میرے سلام آپ کی خدمت میں پیش ہو جائے گا اسے

میرے خطاب سے پیش کرنا ہرگز ممنوع نہیں علماء حق جس چیز سے منع کرتے ہیں وہ صرف بہت ہے محض خیال

انسانیں اودہ بھی صرف نماز میں۔ کیونکہ نماز ازل سے آخر تک اللہ کی عبادت ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں البتہ

کہ نماز کا معنی توحید آپ یا گئے رحمت ربانی کا فوارہ مولانا شبیر کی زبان سے آپ

نے اچھٹا دکھا لیکن ایک سوال ابھی باقی ہے وہ یہ کہ کیا اس سے بھی اوپر کوئی روح

کی لذت باقی ہے؟ ہاں یہ وہ لذت ہے جو شبیر کو تلوار کے سائے میں ملتی ہے۔

اور شبیر اس وقت قرب الہی کی وہ لذت پاتا ہے جس کے آگے جنت کی مختلف

لذتیں دوسرے درجے میں آجاتی ہیں۔

شبیر عشق ہی واقف ہے اسرارِ محبت سے

وگرنہ کس کو آتا ہے سلیقہ سرکشانے کا

حضرت سید احمد شبیر اور شاہ اسماعیل شبیر ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جو نماز کی لذت بھی

پاگئے اور شہادت کی لذت بھی انہیں نصیب ہوئی۔ توحید الہی کا نور زندگی بھر ان کے

سینوں میں موجزنہ اور مشریت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ وہ دار

اپنے پروردگار سے جا ملے۔

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

سلام حابر سانید ہر گجا ہستند

جہاد کا آغاز دہلی سے کیوں نہ کیا

مرکز جہاد وہی جگہ ہو سکتی ہے جو ایک آزاد خطہ اسلام ہو یا جسے آزادی سے آزاد کرایا جاسکے اس خود مختار علاقے کی طلب میں پہلے یہ حضرات امیر خاں والئی ٹونک کے پاس بٹھڑے اور اس کی فوج میں شامل ہوئے لیکن جب نواب مجبور ہو کر انگریزوں سے مل گیا تو یہ دہلی واپس آ گئے اور پھر ایسے خطے کی تلاش میں رہے جہاں ایک آزاد اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔ یہ وہ وجہ تھیں جن کے باعث آپ نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کا رخ کیا۔

پہلے آپ نے تبلیغی سفر کئے۔ حضرت مولانا عبدالحی بھی ساتھ ہوتے تھے اور ان سفروں میں ہندوؤں کی خاصی تعداد مسلمان ہوتی گئی۔ مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ ابھرتا رہا اور چلتے چلتے مجاہدین کا لشکر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ پھر وہ وقت آ گیا جب ان حضرات نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد میں مانسہرہ کے قریب ایک چھوٹی سی آزاد مسلم ریاست قائم کر لی اور وہاں سے جہاد کا آغاز کیا۔

یہ صحیح ہے کہ اس وقت حضرات ظاہری کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئے لیکن ان کا اخلاص اور جذبہ اتنا اونچا تھا کہ یہ اس ملک میں اٹھنے والی آزادی کی ہر تحریک میں اپنے خون کا رنگ بھر گئے اور اپنی محنت اور قربانی سے آزادی کی ایک ایسی شمع روشن کر گئے جس کی روشنی سارے سال تک آزادی کے آئندہ قافلوں کو روشنی بخشتی رہی۔

خدا کو یہی منظور تھا کہ ہندوستان کے جو علاقے آئندہ کبھی وقت ایک اسلامی سلطنت میں تبدیل ہونے والے ہیں وہیں سے اس جہاد کا علم اٹھے۔ آغاز ان شہدائے بالاکوٹ سے ہوا اور جب یہ محنت کنارے لگی تو انہی بزرگوں کے ایک فرزند جیل نے یہاں ایک آزاد اسلامی سلطنت کا جھنڈا اٹھرایا۔ یہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔